قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا تہترواں سال

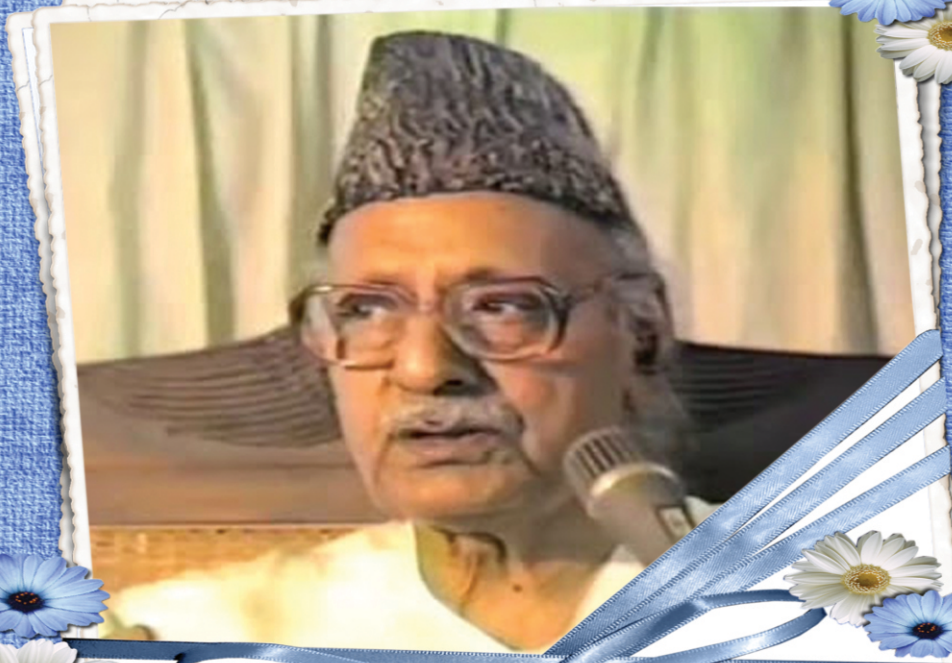
ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

فروری 2016ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



اگرچہ میکدہ سے اُٹھ کے چل دیا ساقی!
وہ مے، وہ خُم، وہ صُراحی، وہ جام باقی ہے

جلد 69 شمارہ نمبر 02 فروری 2016ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق، خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات	سلیم اختر	4
پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت (قسط پنجم)	منظور حسین لیل	8
روئیداد تقریب مفہوم القرآن ویب سائٹ	محمد اقبال	16
قرآنی معاشرہ	عمر احمد عثمانی مرحوم	20
لغات القرآن	از غلام احمد پرویز	26
تحریک طلوع اسلام کی قرآنی خدمات	خواجہ ازہر عباس	32
باب المراسلات	ڈاکٹر انعام الحق	42
حضور ﷺ کے خیال میں لکھا ایک کالم!	عطاء الحق قاسمی	50

ENGLISH SECTION

Surah *Al-Takwir* (الانفطار) – *Durus-al-Qur'an* By G.A.Parwez

Parah 30: Chapter 15 Translated by: Dr. Mansoor Alam 53

زرِ تعاون	50 روپے فی پرچہ
پاکستان	-/550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک	-/800 روپے سالانہ
بیرون ملک	-/2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک	-/4000 روپے سالانہ

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code : NBPAPKKAA02L

National Bank of Pakistan Main Market, Gulberg Lahore

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان) فون: 042-35714546

idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
خروش آموزِ بلبل ہو، گرہ غنچے کی وا کردے
کہ تو اس گلستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے
پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
زمیں جولاں گہ اطلس قبابانِ تتاری ہے
بیا پیدا خریدارست جانِ ناتوانے را
''پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را''

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

لمعات

ادارہ

اتحادِ امت، ایک مخلصانہ تجویز

مندرجہ ذیل احکاماتِ الٰہی کی موجودگی میں امتِ مسلمہ کے اندر کسی قسم کے فرقوں کی ہرگز ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔

(1) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (3:103)

اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

(2) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (3:105)

تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیل آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا' انہیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

(3) اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (6:159)

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

(4) فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (23:53)

پھر انہوں نے خود (ہی) اپنے امر (دین) کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لئے' ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اترا رہا ہے۔

(5) مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (30:32)

ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے۔ ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔

(۶) وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ (42:10)

اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔

(7) وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ (42:14)

ان لوگوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد ہی اختلاف کیا (اور وہ بھی) اپنی ضد بحث سے۔

اس وقت مسلمانوں میں دو بڑے فرقے یعنی شیعہ اور سنی عملاً موجود ہیں جن کے جواز کے لئے عموماً درج ذیل احادیث پیش کی جاتی ہیں:

(i) عن جابر قال رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجتہ یوم عرفۃ وھو علی ناقتہ القصواء یخطب فسمعتہ یقال یاایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی۔ (رواہ الترمذی)۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں عرفے کے روز رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سنا آپ یہ فرما رہے تھے۔ اے لوگو میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوط تھامے رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ خدا کی کتاب ہے اور میرے اہلبیت میں سے میری عترت (یعنی جدی اولاد)۔ (ترمذی)۔

(ii) وعن زید بن ارقم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الأخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔

(رواہ الترمذی)

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہو اور اس پر عامل رہو تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے (اور یہ دو چیزیں ہیں) جن میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے یعنی خدا کی کتاب ایک رسی کی مانند ہے جو آسمان سے زمین تک آئی ہوئی ہے۔ اور دوسری میری عترت ہے۔ میرے اہل بیت میں سے اور خدا کی کتاب اور میری عترت قیامت کے دن ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوض پر آئیں گے۔ اب تم دیکھو گے کہ میرے بعد تم دونوں چیزوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔

(iii) یاایھا الناس انی قدترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابدا: کتاب اللہ و سنۃ نبیہ ان کل مسلم اخ المسلم۔ المسلمون اخوۃ۔ (مستدرک حاکم 93:1)۔

اے لوگو بے شک میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو گمراہ نہیں ہو گے وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ بے شک ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور سب مسلمان آپس میں بھائی

بھائی ہیں۔

(iv) وعن مالك ابن انس مرسلا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله۔ (رواہ الموطا)

حضرت مالک ابن انسؓ بطریق مرسل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم انہیں مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

ناصرف ان چاروں احادیث کے اسناد میں بالترتیب زید بن الحسن، اعمش وحبیب بن ابی ثابت، اسماعیل بن ابی اویس اور اسماعیل بن ابی اویس بعض کے نزدیک ضعیف راوی موجود ہیں بلکہ یہ احادیث مذکورہ بالا احکاماتِ الٰہی سے بھی متصادم ہیں لہٰذا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہوسکتیں۔

البتہ مندرجہ ذیل حدیث ہر لحاظ سے صحیح ہے:

وقد تركت فيكم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم كتاب الله۔

(صحیح مسلم باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ 1/ 397)۔

تمہارے درمیان چھوڑے جاتا ہوں میں ایسی چیز کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہو تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

کیونکہ ناصرف اس کے سب راوی ثقہ ہیں بلکہ یہ درجِ ذیل آیت مبارکہ کے بھی عین مطابق ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (5:67)

(اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

مزید برآں اس حدیث کی مندرجہ ذیل صحیح احادیث پوری تائید کرتی ہیں:

(۱) بلغوا عني ولو آية۔

(بخاری۔ کتاب الانبیاء، ترمذی۔ کتاب العلم، مسند احمد۔ دوسری جلد، دارمی۔ مقدمہ)۔

(میری جانب سے لوگوں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو)۔

(۲) لا تكتبوا عني غير القران ومن كتب عني شيأ غيره فليمحه۔ (مسلم)

مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھواور جو کسی نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو وہ اس کو مٹا ڈالے۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن مجید اور صحیح احادیث نبویؐ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی لوگوں تک اللہ کا قرآن پہنچانا تھا۔ قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کا لوگوں تک پہنچانا رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی نہیں تھا۔ اگر آپ ﷺ بلغوا عني ولو آية کی جگہ بلغوا عني ولو حديثي فرماتے تو یہ آپؐ کے فرض منصبی کے خلاف ہوتا۔ یہ آپؐ قطعاً نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (6:15) (آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں) کا اعلان ہر وقت آپ ﷺ کے پیشِ نظر تھا۔ لہٰذا آپؐ نے مسلمین کو بھی صرف اور صرف قرآن کو مضبوطی سے تھام رکھنے اور لوگوں تک پہنچانے کی تلقین فرمائی۔

اس لئے ہر مسلم کو عقل و بصیرت سے قرآن سیکھنے سکھانے، سمجھنے سمجھانے اور قرآنی نظام کے قیام کے لئے اپنی توانائیوں اور وسائل کو صرف کرنا چاہئے۔ آیتِ مبارکہ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (25:30)۔ (اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا) کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (6:162) (بے شک میری صلوٰۃ، میرے نُسک، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے) کے اعلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا چاہئے۔ سب مسلمین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان میں کسی قسم کی فرقہ بازی، مسلک سازی، گروہ بندی، ذات برادری، عربی، عجمی، گورے کالے، لسانی اور علاقائی بنیاد پر تقسیم ہرگز جائز نہیں بلکہ شرک ہے۔ کسی مسلم کے نام کے ساتھ ایسے کسی سابقے لاحقے کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔ مساجد میں بھی شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث وغیرہ کا امتیاز قطعاً نہیں ہونا چاہئے۔ کسی مسجد کی رجسٹریشن کسی فرقہ یا مسلک کے لحاظ سے نہیں ہونی چاہئے۔ مسجد کی تعمیر و رجسٹریشن صرف بطور مسجد (یعنی مسلمین کی مسجد) ہونی چاہئے۔ قرآنِ حکیم کے مطابق ایک عالم کے لئے عقل و بصیرت سے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ صحیفۂ فطرت کا ماہر ہونا یعنی جدید سائنسی علوم کا ماہر یا سائنسدان ہونا بھی لازمی ہے۔ اس لئے ہر مسلم کو عقل و بصیرت سے قرآن فہمی کے ساتھ ساتھ جدید ترین سائنسی علوم حاصل کرنے کے سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح تک یکساں مواقع مہیا کئے جانے چاہئیں۔ اس مقصد کے لئے مدارس کو بھی سکولوں اور کالجوں میں تبدیل کر دینا چاہئے تاکہ امت مسلمہ دین و دنیا دونوں میں سرفراز ہو سکے اور فرقہ واریت سے بھی چھٹکارا حاصل کر سکے۔

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

(قسط پنجم)

پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت

(قرآنی حکومت)

اور جو لوگ ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، وہی لوگ کافر، ظالم، فاسق ہیں (47۔45۔44/5)۔

ماں اور بچّے کا رشتہ:

ماں اپنے رحم میں، جنین کی پرورش اپنے خونِ جگر سے کرتی ہے اور اس سے اس کے دل میں کسی معاوضہ یا شکریہ کا احساس تک پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی انتہائی خواہش، کوشش اور خوشی اس میں ہوتی ہے کہ جنین، رحم میں پرورش پا کر، تندرست و توانا بچے کی صورت میں دنیا میں آئے۔۔ پیدائش کے بعد، وہ بچے کی پرورش پھر اپنے خونِ جگر سے کرتی ہے اور اس میں بھی اس کی انتہائی خواہش اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ بچے کی صلاحیتیں اس طرح نشوونما پا جائیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ جب بچہ پہلے پہل دو قدم چلنے کے قابل ہوتا ہے تو ماں کا دل کس طرح خوشی سے بلیّوں اچھلنے لگتا ہے اور وہ کس طرح انتہائی فخر و مسرت سے دوسروں سے کہتی ہے کہ دیکھو! میرا بچہ چلنے لگ گیا ہے۔ بچوں کی سالگرہ کی تقریبیں، ماں کے اسی جذبۂ فخر و مسرت کی مظہر ہوتی ہیں، حالانکہ غور سے دیکھئے تو بچہ جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے، ماں کی احتیاج سے آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اسی میں تو ماں کی محبت کا راز پنہاں ہے۔ وہ اپنے بچے کو محتاج نہیں، آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔

مملکت، ماں جیسی:

خدائے رحمٰن و رحیم بھی ربوبیتِ عالمین سے یہی چاہتا ہے کہ انسان محتاج نہ رہے، زیادہ سے زیادہ آزاد ہوتا جائے۔ یہ وجہ ہے جو اس نے، اس پرورش کے سلسلہ میں اپنا اور انسانوں کا رشتہ، رحمانیت (Motherly love) کا بتایا ہے۔ باپ اور بیٹے کا نہیں بتایا کہ اس رشتے سے وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔۔ یہ ہے رشتہ اس نظام کا، جس کے ہاتھوں رزق کی تقسیم ہوتی ہے، اور افرادِ معاشرہ کا یعنی ماں اور بچے کا رشتہ۔ جس طرح ماں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلا کر، نہ اسے محتاج سمجھتی ہے نہ ذلیل۔ نہ بچے سے اس کا معاوضہ طلب کرتی ہے نہ صلہ۔ نہ اس کے لئے اسے ستائش کی تمنا ہوتی ہے نہ شکریہ کی آرزو۔۔۔ اسی طرح، حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے رزق کی تقسیم کرنے والوں کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔۔۔ اس کے برعکس، اس معاشی نظام میں، جس میں اقتدار انسانوں کے ہاتھ میں ہو، اربابِ اقتدار اور عوام کا رشتہ قصاب اور بکرے، یا

تانگے والے اور اس کے گھوڑے کا سا ہوتا ہے۔۔۔اور اگر آپ اس میں ''ثواب'' کا پہلو بھی دیکھنا چاہیں، تو اس رشتے کو ایسا سمجھئے جیسا اس دنبے اور اس کے مالک کا رشتہ جسے وہ قربانی دینے کے لئے پال رہا ہو۔اس میں بکرے، گھوڑے یا دنبے کی پرورش، ان جانوروں کی خاطر نہیں ہوتی۔اس لئے ہوتی ہے کہ اس سے وہ جانور، ان کے مالکوں کے مقاصد بروئے کار لانے کے قابل رہیں۔اور اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہر انسانی ذات، اپنا مقصد آپ ہوتی ہے۔جب کوئی ذات، کسی دوسری ذات کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بن جائے، وہ ذلیل وخوار ہو جاتی ہے۔اس میں شرفِ انسانیت باقی نہیں رہتا۔۔پندارِ نفس کی اس شکست کا وہ ردِعمل ہوتا ہے جو معاشرہ کے زیردستوں کی طرف سے سرکشی اور بغاوت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔کوئی ذات اپنی ذلت برداشت نہیں کر سکتی۔معاشرہ تو ایک طرف، جس دن کوئی ماں باپ اپنے جوان بیٹے سے کسی بات پر ناراض ہو کر یہ کہہ دے کہ کیا ہم نے تمہیں اسی دن کے لئے پالا پوسا تھا، اس کے دل سے ان کا احترام ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے لئے یہ احساس بڑا اذیت رساں ہوتا ہے کہ میں کسی دوسرے کے مقاصد کو بروئے کار لانے کا ذریعہ (Instrument) ہوں۔میری ذاتی حیثیت کچھ نہیں۔فرد کی ذاتی حیثیت اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اس کی ذات کا احترام کیا جائے۔جب اسے کسی دوسرے کے مقاصد کے بروئے کار لانے کا ذریعہ سمجھ لیا جائے، اس کے دل میں نفرت اور سرکشی کے جذبات ابھر آتے ہیں۔''

انتخابات:

انتخاب امیر کا ہو یا ارکانِ مجلسِ مشاورت (پارلیمان) کا، اس سلسلے میں قرآن کریم نے کوئی پابندی نہیں لگائی یا خود ہی کوئی طریقِ انتخاب نہیں بتایا۔اسے اُمت پر چھوڑ دیا کہ وہ خود ہی اپنے زمانے کے حالات کے مطابق، باہمی مشاورت سے، جو طریق مناسب سمجھے، اسے اختیار کر لے، البتہ وہ طریق قرآن سے کسی بھی طرح متصادم نہ ہو۔پرویز صاحب نے مئولف کے خط کا جواب دیتے ہوئے اکتوبر 1979ء کے طلوعِ اسلام (صفحہ نمبر 20) میں لکھا کہ:۔''جہاں تک انتخاب یا حکومت کے کسی اور طریقِ کار کا تعلق ہے اس باب میں ایک اصول کا سمجھ لینا ضروری ہے۔قرآن مجید نے جن امور کی تفصیلات خود متعین نہیں کیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انہیں ہمیشہ کے لئے غیر متبدل اور ابدی قرار دینا منشائے خداوندی نہیں تھا۔اس نے اصول اور حدود متعین کر دیئے اور اسے اُمت کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ وہ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کی تفاصیل اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق خود متعین کرے۔یہ حدود اور اقدار تو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گی لیکن ان کی جزئیات اور انہیں روبہ عمل لانے کا طریقِ کار ضروریاتِ زمانہ کے مطابق بدلتا رہے گا۔''

انتخابِ امیر:

پرویز صاحب نے منصبِ امارت کے لئے انتخاب کے معاملے میں اپنی کتاب سیرتِ رسول کریم ﷺ ''معراجِ انسانیت'' میں لکھا ہے کہ:۔''اس نظام میں سب سے اہم مقام امیرِ ملت کا ہوگا۔رسول مامور من اللہ تھا، اس لئے اُس کی امارت و

امامتِ کبریٰ لوگوں کی رہینِ منت نہ تھی۔ وہ بحیثیت رسول، امیر ملت اور مرکزِ ملت تھا ۔لیکن اُس کے بعد یہ حیثیت تو کسی کو حاصل نہ ہوگی۔۔۔ اب اُمت میں کوئی رسول نہیں ہوگا، اس لئے اب ملت اپنا ''امام'' خود منتخب کرے گی اور معیارِ انتخاب تقویٰ ہوگا، کہ ''انّ اکرمکم عنداللہِ اتقکم'' خدا کا مقرر کردہ معیار ہے۔ اب یہ امام رسول کا جانشین (خلیفۃ الرسول) ہوگا۔ اور اس کی اطاعت بمنزلہ ''اللہ و رسول کی اطاعت'' کے ہوگی۔ اس لئے کہ، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، ''اللہ و رسول'' سے مراد ہی مرکزِ ملت ہے۔ اب احکام الٰہیہ کی تنفیذ اس کا فریضہ ہوگا۔ اور ان احکام کی اطاعت اس کی وساطت سے ہوگی (واضح رہے کہ ''مرکزِ ملت'' کے متعلق یہ ضروری نہیں کہ تمام اختیارات ایک فرد کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اُمت کے مشورہ سے، یہ اختیارات، ایک فرد کی بجائے، ایک جماعت کے بھی سپرد کئے جا سکتے ہیں۔ یہ انتظامی امور ہیں جن کا فیصلہ ہر زمانے کے مسلمان، اپنی اپنی مصلحتوں کے مطابق خود کر سکتے ہیں۔۔۔ اس میں غیر متبدل شرط یہ ہے کہ اس مرکز کے فیصلے، حدودِ خداوندی سے کسی بھی صورت میں نہ ٹکرائیں۔ بلکہ وہ حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے کئے جائیں۔ اور جن کے سپرد یہ کام کئے جائیں وہ خود قوانینِ خداوندی کے سب سے زیادہ پابند ہوں)۔ وہ (امیر) سب سے پہلے خود ''مسلم'' (ان فیصلوں کو تسلیم کرنے والا) اور عبدِ مومن (خدا کا تابع بندہ) ہونے کی حیثیت سے ان احکامات پر خود عمل پیرا ہوگا۔ اور اس کے بعد دوسروں سے اس کی پیروی کرائے گا۔''

بیعت:

اسلامی نظامِ حکومت میں انتخابِ امیر اور بیعت و اطاعتِ امیر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ سب کچھ اُمت کی مشاورت سے طے پائے گا۔۔ اس سلسلے میں بیعت کا مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ پرویز صاحب ''شاہکارِ رسالت'' کے تیسرے باب ''خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است'' میں ''حضرت عمرؓ کا انتخاب'' اور ''بیعت کا مفہوم'' کے ذیلی عنوانات کے تحت لکھتے ہیں:۔ ''دین کے نظام میں بیعت کی اصطلاح بڑی بنیادی، فلہٰذا اس قابل ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ قرآن کریم کی رو سے، جب کوئی شخص اُمتِ مسلمہ (کی سوسائٹی) کا رکن بننا چاہے (یعنی عام اصطلاح میں مسلمان ہونا چاہے)، تو اسے، اپنی کامل رضامندی سے ایک معاہدہ پر دستخط کرنے ہوتے ہیں جس کی رو سے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط (9:111)۔ وہ شخص ''اپنی جان اور مال خدا کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اس کے عوض خدا اسے جنت کی زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔'' (اس دنیا کی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی)۔۔۔ یہاں سوال پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ خدا تو ایک ان دیکھی غیر محسوس حقیقت ہے، اس کے ساتھ بیع و شریٰ (خرید و فروخت) کا یہ معاملہ طے کس طرح پاتا ہے؟۔ اور اس کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے دیا جا چکا ہے کہ یہ معاملہ طے پاتا ہے اُس سربراہِ مملکت کے توسط سے جو احکامِ خداوندی کے مطابق حکومت قائم کرتا ہے۔۔ اصولاً یوں سمجھ لیجئے کہ انسانوں کے معاملہ میں جس قدر ذمہ داریاں خدا نے اپنے

اوپر لی ہیں (اور جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے)، وہ اسلامی مملکت کے ہاتھوں پوری ہوتی ہیں۔ جو مملکت، خدا کی یہ ذمہ داریاں پوری کرتی ہے، اسی کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے احکامِ خداوندی کی اطاعت کرائے۔۔۔اس اصول کے مطابق، خدا سے بیع وشریٰ (یعنی حقوق اور ذمہ داریوں) کا یہ معاملہ سربراہِ مملکت کی وساطت سے طے پاتا ہے۔۔۔اس کی شہادت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ جب صلحِ حدیبیہ سے پہلے، جماعتِ مومنین پر سخت نازک وقت آیا جس میں نظر آتا تھا کہ اہلِ مکّہ کے ساتھ شدید مقابلہ ہوگا اور اس میں انہیں بے دریغ جانیں قربان کرنی پڑیں گی، تو حضور ﷺ نے، بیع وشریٰ کے معاملہ کی تجدید (یا) یاددہانی کے طور پر، جماعتِ مومنین سے ''بیعت'' لی۔ (بیعت کے معنی ہی خودفروشی، یعنی اپنے آپ کو بیچ ڈالنا ہیں)۔۔۔اس مقصد کے لئے صحابہؓ آتے اور (اس زمانے کے قاعدے کے مطابق) اس معاہدہ کے لئے اپنا ہاتھ حضور ﷺ کی طرف بڑھاتے اور حضور ﷺ ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر، معاہدہ کی توثیق فرماتے تھے۔ اس ''بیعت'' کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ ۔۔۔ یہ لوگ جو (اے رسول ﷺ) تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں:۔ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یہ درحقیقت خدا کے ساتھ اپنی بیع کا معاملہ طے کرتے ہیں۔۔۔ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ (48:10)۔ ان کے ہاتھ پر، نظر بظاہر، محسوس طور پر، تو تیرا ہاتھ ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ خدا کا ہاتھ ہے، تو ان سے یہ معاہدہ خدا کے (Behalf) پر کرتا ہے۔ (یہ تھا قرآن کریم کی رو سے ''بیعت'' کا مفہوم۔ لیکن جب ''دین'' مذہب میں تبدیل ہو گیا تو اس ''بیعت'' کا مفہوم رہ گیا کسی پیر کا مرید بن جانا اور اس کے لئے ''حضرت صاحب کی بیعت'' کر لینا۔ سچ ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں ، لیکن ملّا کی اذاں اور ، مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور
(اقبال)

اصولِ اہلیت:

''اگر مشاورتی مشینری کا طریق انتخابی ہوگا تو امیدواروں کو انتخابی مہم کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی۔ ان کا ذاتی کردار اور ماضی کی زندگی ان کے لئے معیارِ انتخاب ہوگا۔ قوم اس کا موازنہ خود کر لے گی۔'' (طلوعِ اسلام ستمبر 1977ء۔ صفحہ نمبر 13)۔ 1979ء میں جب طلوعِ اسلام سے استفسار کیا گیا کہ ووٹ کس کو دیا جائے تو طلوعِ اسلام کا جواب ایسا تھا جس سے اسلام میں اصولِ اہلیت واضح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''یہ واضح ہے کہ ہم عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے، نہ ہماری اپنی کوئی سیاسی پارٹی ہے، نہ ہم کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر بزمِ طلوعِ اسلام کا کوئی رکن کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہونا چاہے تو اسے بزم کی رکنیت سے استعفیٰ دینا پڑتا ہے۔ بزم کا رکن البتہ اپنی ذاتی حیثیت سے آزاد امیدوار کے طور پر اسمبلی کی رکنیت کے لئے کھڑا

ہوسکتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اگر اس اسمبلی میں کوئی مسئلہ ایسا سامنے آئے گا جو قرآن مجید کے خلاف ہوگا تو وہ اس کی مخالفت کرے گا۔ جہاں تک ووٹ دینے کا تعلق ہے، قرآنی راہنمائی کی وضاحت ہمارا فریضہ ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ اس شخص کو ووٹ دیں جس کی صداقت، شرافت، امانت، دیانت، اور اہلیت پر آپ کو پورا پورا بھروسہ ہو۔ ایسے شخص کے تولنے اور ماپنے کے لئے قرآن کریم نے ایک ایسا پیمانہ عطا کر دیا ہے جو کبھی غلطی نہیں کرتا۔ جب نبی اکرم ﷺ سے آپ کے مخالفین نے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (10:16)۔ ''میں کوئی اجنبی یا نووارد نہیں۔ میں نے اس سے پہلے اپنی پوری عمر تم میں بسر کی ہے۔ کیا تم اس پر غور کر کے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا؟'' اس آیت میں ''من قبلہٖ'' کا ٹکڑا بڑا بنیادی ہے۔ جب کوئی شخص کسی منصب کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اپنی وضع بڑی مقدس بنا لیتا ہے لیکن اس کا صحیح کیریکٹر اس کی اس زمانے کی زندگی سے سامنے آسکتا ہے جب وہ عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ ہے صحیح پیمانہ۔ جو شخص بطور امیدوار کھڑا ہو آپ یہ دیکھئے کہ اس کی پہلی زندگی کس قسم کی گزری ہے۔۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ کا وہ معیار بھی شامل کر لیجئے کہ آپ نے کسی شخص سے کہا کہ وہ اپنے دعوے کی تائید کے لئے کسی ایسے شخص کو لائے جو اعتماد کے قابل ہو۔ اس نے ایک شخص کا نام لیا تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے۔۔ اس نے کہا، نہیں۔۔۔۔ پھر پوچھا۔۔ کیا تم کبھی اس کے ہمسایہ رہے ہو۔۔ اس نے کہا، نہیں۔۔۔۔ آپ نے پھر پوچھا۔۔ کیا اس کے ساتھ تمہارا کبھی کوئی معاملہ پڑا ہے۔ جب اس نے اس پر بھی کہا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ پھر تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے مسجد میں سر جھکاتے، سر اٹھاتے دیکھ لیا ہوگا اور اس سے سمجھ لیا کہ وہ قابلِ اعتماد ہے۔ لہٰذا، کسی امیدوار کے قابلِ اعتماد ہونے کا فاروقی معیار بھی پیشِ نظر رکھئے۔''

پاکیزگیٔ کردار:

طلوعِ اسلام ستمبر 1977ء۔ ص۔ 17۔16): پرویز صاحب اصولِ اہلیت کے بارے میں رقمطراز ہیں۔۔ ''ذمہ داریاں سونپنے کے سلسلہ میں قرآن کریم نے اصول یہ مقرر کیا ہے کہ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۔۔۔ (4:58)۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو اختیارات تمہیں بطور امانت دیئے گئے ہیں، انہیں ان کے سپرد کر دو جو ان کے اہل ہوں۔'' اس ''اہلیت'' میں علمی اور انتظامی صلاحیتوں کے علاوہ، سیرت و کردار کی پاکیزگی بنیادی شرط ہے کیونکہ قرآن کی رو سے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ (49:13)۔ تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرتا ہے۔ جو لوگ قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل ہوں اور اپنے ہی جذبات و خیالات کے پیچھے لگ جائیں، ان کا حکم نہیں مانا جائے گا۔ سورہء کہف میں ہے: وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (18:28)۔تم اس کی اطاعت مت کرو جس کا دل قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل ہو گیا، اور اس نے اپنی خواہشات کا اتباع شروع کر دیا اور اس طرح اس کا معاملہ حد سے گزر گیا۔قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ:۔ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۡ (11:46)۔جس کا عمل غیر صالح ہو جائے، وہ ''تمہارے اہل'' میں سے نہیں۔۔لہٰذا مملکت کے افسرانِ ماتحت سے لے کر صدارتِ عظمیٰ تک، اہلیت، صالحیت اور تقویٰ (پاکیزگیٔ سیرت) کی شرائط ہر ایک پر عائد ہوں گی اور معاشرہ میں مدارج، جو ہر ذاتی اور حسنِ کردار کی رو سے متعین کئے جائیں گے۔وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ (46:19) ارشادِ خداوندی ہے۔''

عمالِ حکومت کا معیارِ انتخاب:

طلوعِ اسلام مارچ 1983ء۔صفحہ نمبر 28:۔''حضرت عمرؓ اپنے ان جلیل القدر رفقاء کی ہر نقل و حرکت پر نگاہ رکھتے تھے۔سب سے پہلے، خود اپنے آپ پر، اور اس کے بعد ان عمالِ حکومت پر۔صدرِ اوّل کے اسلامی نظام نے جو اس قدر ابد در کنار درخشندہ و تابندہ و تابناک، انسانیت ساز، نتائج پیدا کئے تھے تو اس کی وجہ، قوانینِ حکومت کے مبنی برحق ہونے کے علاوہ، اعیان و ارکانِ حکومت کی پاکیزگیٔ سیرت اور بلندیٔ کردار بھی تھی اور یہی وجہ تھی جو حضرت عمرؓ ان کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔قرآن کریم چونکہ اس نظام کا نقطۂ پرکار تھا، اس لئے عمال کے انتخاب میں، قرآنی علوم کو بنیادی خصوصیت قرار دیا جاتا تھا۔'' آگے چل کر لکھا ہے کہ:۔''وہ یعنی حضرت عمرؓ کسی کے نماز روزے کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ منصب متعلقہ کے لئے اُس کی صلاحیت اور حسنِ معاملات کو دیکھتے تھے اور ان صلاحیتوں میں جو بھی سب سے آگے ہوتا، اُسے منتخب کرتے تھے۔اور اس باب میں کسی کی رورعایت نہیں کرتے تھے۔۔۔۔آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ ''میں کبھی پسند نہیں کرتا کہ کسی ایسے شخص کو گورنر مقرر کر دوں جس سے اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل کوئی دوسرا شخص موجود ہو۔''۔''آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں سیادت (اعلیٰ منصب) کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرنا پسند کرتا ہوں کہ:۔جب وہ اس منصب پر فائز نہ ہو تو اپنی قوم کا سردار نظر آئے، اور جب اُسے قوم کا سردار بنا دیا جائے تو وہ انہی میں کا ایک فرد معلوم ہو۔''

ثقاہت وقُوّت:

''آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:۔خدا خائن کی قوت اور ثقہ انسان کے عجز (کمزوری) سے بچائے۔یعنی قوتوں اور صلاحیتوں کا مالک انسان اگر خائن ہے تو وہ بھی خطرناک ہے، اور ایک شخص نہایت دیانت دار اور قابلِ اعتماد ہے لیکن ہے کمزور تو وہ بھی مضرت رساں ہے۔لہٰذا، انتخاب کا اصول تھا، ثقاہت اور قوت۔لیکن ''قوت'' سے مراد سنگدلی اور شقاوتِ قلبی نہیں تھی، عدل کے لئے جراءت و بسالت تھی۔'' حضرت عمرؓ عہدے کے طلب گار، شاعروں، شخصیت پرستوں اور قریبی رشتے داروں کو عمال مقرر کرنے سے احتراز برتتے تھے۔پرویز صاحب، ایک اسلامی حکومت کے عمال کے انتخاب کے

معاملے میں حضرت عمرؓ کے ان معیارات کو راہنما اصول قرار دیتے ہیں۔

آمدنی کے اعتبار سے حلقہ ہائے انتخاب:

جناب پرویز صاحب مروجہ (مغربی) جمہوریت کو حقیقی جمہوریت نہیں مانتے۔ کیونکہ جمہوریت کے معنی ہیں جمہور (اکثریت) کی حکومت۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اکثریت کم آمدنی والے لوگوں یعنی غریبوں کی ہے جبکہ کوئی غریب آدمی ہمارے ملک کے پارلیمان کا ممبر بننے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ زیادہ آمدنی والے لوگوں کی تعداد ہمارے ملک میں کم ہے مگر ہمارے پارلیمان کے ممبران ہمیشہ امراء ہی ہوتے ہیں جو کہ اقلیت میں ہیں اور یہ حقیقی جمہوریت کی صریحاً نفی ہے۔ یوں یہ اکثریت کی نہیں، اقلیت کی حکومت بن جاتی ہے۔ جناب پرویز صاحب شروع ہی سے یہ تجویز دیتے چلے آئے ہیں کہ اگر حقیقی اکثریت کی حکومت (یعنی حقیقی جمہوریت) قائم کرنا ہے تو پھر موجودہ نظامِ انتخابات میں اصلاحات ضروری ہیں۔ طلوعِ اسلام جنوری 1971ء صفحہ نمبر 13 ملاحظہ ہو: ''مسٹر بھٹو، اگر فی الواقعہ سرمایہ داری کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی آسان ترین شکل وہ تجویز ہے جسے ہم نے دو سال پہلے پیش کیا تھا۔ یعنی آمدنی کی بنیاد پر انتخابات۔ سرمایہ بجائے خویش کوئی قوت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ سرمایہ دار اپنے سرمائے سے قوت خرید تا ہے، اور جمہوری اندازِ حکومت میں قوت کے معنی ہوتے ہیں مجالس قوانین ساز میں موءثر مقام کا حصول۔ انتخابات کے موجودہ نظام کی رو سے ان مجالس میں نشستیں روپے کے زور سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہماری پیش کردہ تجویز کی رو سے شکل یہ ہوگی کہ مثلاً ملک میں جتنے لوگوں کی آمدنی ایک سو روپیہ ماہوار تک ہو، انہیں ایک وحدت تصور کر لیا جائے اور ان کی آبادی کی نسبت سے اس حلقے کی نشستیں مقرر کی جائیں۔ اس میں ووٹرز بھی اسی آمدنی کے مالک ہوں اور امیدوار بھی (کم از کم تعلیم کی شرط کے ساتھ)۔ اسی طرح آمدنیوں کو بڑھا کر حلقے قائم کرتے چلے جائیں۔ جوں جوں حلقہ اوپر اٹھے گا، اس میں نشستوں کی تعداد کم ہوتی چلی جائے گی حتیٰ کہ سب سے اونچے۔۔۔ بائیس خاندانوں پر مشتمل۔۔۔ حلقے کے حصے میں شاید ایک نشست بھی نہ آسکے۔۔۔ اس طرح مجالس قوانین ساز میں موءثر حیثیت سرمایہ داروں کی نہیں بلکہ کم سے کم آمدنی والے افراد کی ہو جائے گی۔ جب اس طرح سرمائے کی قوت ٹوٹ جائے گی تو سرمایہ داری میں کوئی کشش باقی نہیں رہے گی۔'' طلوعِ اسلام فروری 1973ء۔ ص۔ 50: ''اس نظام کو اگر واقعی جمہوری نظام بنانا مقصود ہے تو اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ حلقہ ہائے انتخاب آمدنی کے معیار کے مطابق متعین کئے جائیں۔ مثلاً سو روپے ماہوار آمدنی والے افراد پر مشتمل ایک حلقہ۔ ان افراد کی تعداد کی نسبت سے اس میں نشستوں کا تعین۔۔۔ اور اس کے بعد شرط یہ کہ اس حلقے سے امیدوار وہی کھڑے ہو سکتے ہیں جن کی آمدنی اتنی ہو۔ اسی شکل کو آگے بڑھاتے جایئے۔ مثلاً پانچ سو روپے ماہوار آمدنی والوں کا ایک حلقہء انتخاب اور امیدوار بھی انہی میں سے۔ اسے اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے آپ لاکھوں روپے ماہوار آمدنی تک لے جایئے۔۔۔ ظاہر ہے کہ جوں جوں ہم اوپر اٹھتے جائیں گے، نشستوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ اور آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ پورے کا پورا ''ایوان'' قوم کے صحیح نمائندگان پر

مشتمل ہوگا۔ کم از کم تعلیم:۔ اس پر ہم اتنا اضافہ اور کرنا چاہیں گے کہ امیدواروں کے لئے کم از کم تعلیم کی شرط بھی ضروری عائد ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے تعلیمی معیار بھی آمدنی کی نسبت سے رکھا جائے۔ سو روپے آمدنی والوں کے لئے پرائمری یا مڈل کی شرط بھی کافی ہے۔ جوں جوں اوپر اٹھتے جائیں تعلیمی معیار بھی بلند ہوتا جائے۔ صدارت کے لئے البتہ معیار آمدنی نہیں صرف تعلیم رکھا جائے۔۔۔۔ اس طریق انتخاب کی رو سے (علاوہ اس کے کہ قوم کے نمائندے فی الواقعہ قوم کے نمائندے ہوں گے) سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ الیکشن کی خرابیاں (جن کا ہم اس قدر رونا روتے رہتے ہیں) خود بخود دور ہو جائیں گی۔ سو روپے ماہوار آمدنی والا امیدوار اپنے ووٹر کو رشوت کہاں سے دے گا۔ اور جھوٹے سچے پروپیگنڈے کے لئے رقم کہاں سے لائے گا؟۔ اور لاکھ روپے ماہوار آمدنی والا اگر رشوت دینا چاہے گا تو اس کے ووٹر بھی اسی کی حیثیت کے ہوں گے۔ انہیں خریدنے کے لئے اسے خود بکنا پڑے گا۔''

علمی معیار۔ ایک تجویز:

قرآن کریم نے اہل علم و تدبر (یعنی عقل سے کام لینے والوں) کا بڑا رتبہ بیان کیا ہے۔ اہلِ علم اور بے علم میں بینا اور نابینا کا فرق ہے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ط (6:50)۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے پوچھئے! کہ کیا جاننے والے (اہلِ علم) اور نہ جاننے والے (بے علم) برابر ہو سکتے ہیں۔'' (39:9)۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی علم وحی کی حامل ہستی کو بھی اپنے علم میں مزید اضافہ کے لئے دعا کرنے کی ہدایت کی گئی۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (20:114)۔ ظاہر ہے کہ قانون سازی جیسے اہم اور نازک مقصد کی تکمیل کے لئے اہلِ علم و تدبر اور اصحابِ شعور کو منتخب کرنا ہوگا۔ اسلام میں قانون سازی کے لئے ایسے افراد کا انتخاب ضروری ہے جو دین اور دنیا (قرآن کریم اور علوم جدیدہ) دونوں کے بارے میں مناسب علم کے حامل ہوں۔ اور ان میں یہ اہلیت بھی ہو کہ وہ اپنے زمانے کے گوناگوں مسائل کا ادراک بھی رکھتے ہوں۔ نیز وہ قرآن کریم اور جدید علوم کی روشنی میں اُن مسائل کا حل تلاش کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔

اس مقصد کے لئے موجودہ زمانے میں حاصل کردہ ڈگریوں اور سندات کی شرط رکھی تو جا سکتی ہے مگر اس شرط کو ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نہ ہی تعلیمی سندات اور ڈگریاں لازمی طور پر اہلیت اور شعور کی جانچ کا کوئی حقیقی اور یقینی معیار ہیں۔ کیونکہ کسی کے شعور کے معیار کا اندازہ لگانا آسان کام نہیں ہے۔ شعور اور اصابتِ رائے یعنی اہلیت کی پیمائش کا کوئی حقیقی اور یقینی پیمانہ کسی کے پاس موجود نہیں۔ ایک ایم اے پاس کے مقابلہ میں ایک کم پڑھا لکھا زیادہ باشعور ہو سکتا ہے۔ شعور کا اندازہ صرف انسانی علم، قوت اور امکانات کی حد تک ہی ممکن ہے۔۔ مولف کی تجویز یہ ہے کہ امیدواروں کی اہلیت کی جانچ پڑتال کے لئے حلقہء انتخاب کے ریٹرننگ آفیسر کے ساتھ کم از کم دو مزید ججز کا ایک پینل مقرر کر دیا جائے جو مذکورہ بالا معیارات کو سامنے رکھ کر امیدواروں کی اہلیت کا فیصلہ کرے کہ وہ انتخاب میں حصہ لینے کے قابل ہیں یا نہیں (مؤلف)۔

(جاری ہے)

محمد اقبال، نمائندہ بزم کراچی

روئیداد بتقریب مفہوم القرآن ویب سائٹ

www.mafhoomulquran.com

منعقدہ آفس، بزم طلوع اسلام کراچی (صدر)

مورخہ 23 دسمبر 2015ء کو بزم طلوع اسلام کراچی کے زیرِ انتظام ایک شاندار مجلس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں تمام بزم ہائے طلوع اسلام کراچی کے علاوہ کافی تعداد میں دیگر احباب نے بھی شرکت فرمائی۔ اس مجلس کے انعقاد کا مقصد مفہوم القرآن ویب سائٹ کا باقاعدہ اجراء اور آگہی تھا۔ شہر میں عید میلاد النبی ﷺ کی تیاریاں عروج پر تھیں اور سیکورٹی کے غیر معمولی انتظامات کی وجہ سے نقل وحرکت کے معمولات میں غیر یقینیت کے باوجود احباب کی بڑی تعداد نے شرکت فرمائی۔ باوجوہ اجلاس مقررہ وقت سے آدھا گھنٹہ دیر سے شروع ہوا۔ اجلاس کی ابتداء تلاوت قرآن کریم سے ہوئی جس کی سعادت محترم محمد رشید بٹ صاحب کے حصّے میں آئی۔ اس کے بعد نمائندہ بزم نے بزم کے زیرانتظام چلنے والے پروجیکٹس اور ان کی افادیت سے متعلق حاضرین کو رپورٹ پیش کی۔ جسے دوستوں نے نہ صرف سراہا بلکہ اسے آج کی ضرورت کے پیش نظر خوب داد دی۔

بعدازاں اس اجتماع کے اصل موضوع یعنی مفہوم القرآن ویب سائٹ کی باری تھی۔ یہ پروجیکٹ گذشتہ 3 سال سے زیرترتیب تھا اور جسے بزم کی مخصوص ٹیم دن رات تیار کرنے میں مصروف رہی۔ الحمدللہ! جو اب آخری مرحلے میں داخل ہوگئی۔ اس ٹیم کے سربراہی طلوع اسلام کے دیرینہ ساتھی محترم جناب شہاب آفتاب صاحب کررہے تھے۔ انہوں نے اپنی پریزنٹیشن میں ویب سائٹ کے تمام پہلوؤں پر بذریعہ ملٹی میڈیا روشنی ڈالی۔ اس کے علاوہ اس میں مستقبل قریب میں مزید سہولتوں کے اضافے سے متعلق بھی بتایا۔ بے شمار مثالوں سے مفہوم القرآن، لغات القرآن اور تبویب القرآن کے اردو اور انگریزی حصوں کے استعمال کے طریقوں کو اجاگر کیا اور سیر حاصل آگاہی دی۔ انہوں نے بتایا کہ ویب سائٹ میں یہ سہولت بھی موجود ہے کہ آپ اگر چاہیں تو اہم علماء کے اردو اور انگریزی تراجم کا باہم تقابلی جائزہ بھی لے سکتے ہیں۔ اس میں فی الحال چند شہرت یافتہ علماء کو شامل کیا گیا ہے، جس میں حسب ضرورت اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ سہولت آف لائین سوفٹ ویئر کی صورت میں بھی موجود ہے۔

مفکر قرآن محترم غلام احمد پرویز علیہ رحمۃ کی شہرۂ آفاق کتب سے اس نئے انداز سے استفادہ کرنے کی سہولت دیکھ کر

حاضرین کا اطمینان اور خوشی دیدنی تھی۔

محترم جناب شہاب آفتاب اور ان کی ٹیم کی انتھک کوشش اور مسلسل محنت حلقۂ طلوع اسلام اور محققین میں تادیر یاد رکھی جائے گی۔

اس پریزنٹیشن کے بعد ویب سائٹ سے متعلق سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ محترم شہاب صاحب نے خندہ پیشانی سے حاضرین کے تمام سوالوں کے جواب دئے۔

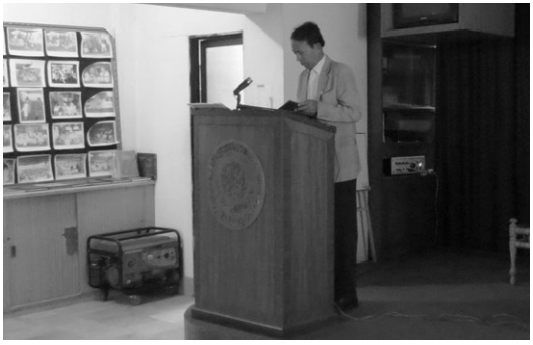
حاضرین کے جوابات سے کامل اطمینان کے بعد نمائندہ بزم نے حاضرین کا طویل دورانیہ تک بھرپور توجہ سے سننے پر تشکر کا اظہار کیا۔

الوداع کہنے سے پہلے مہمانان گرامی کی ریفریشمنٹ سے تواضع کی گئی۔

تقریب مفہوم القرآن ویب سائٹ کی کچھ تصویری جھلکیاں



حاضرین مجلس کا ایک منظر



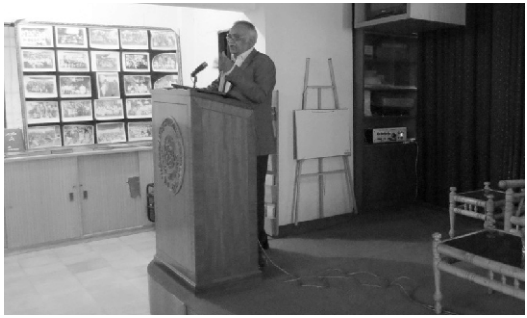
محترم رشید بٹ صاحب، تلاوت قرآن کریم کی سعادت حاصل کرتے ہوئے



افتتاحیہ کلمات، نمائندہ بزم



سامعین کرام



شہاب آفتاب صاحب، سافٹ ویئر پریزنٹیشن دیتے ہوئے



حاضرین مجلس



حاضرین مجلس کا ایک منظر



سامعین کرام



سامعین کرام



محترم شہاب آفتاب صاحب



نمائندہ بزم اظہار تشکر اور اختتامی کلمات ادا کرتے ہوئے



سافٹ ویئر کی مرکزی ٹیم، محمد اقبال، شہاب آفتاب اور فہد نظیر

ماہنامہ طلوعِ اسلام کی نئی قیمت

2016ء میں ''طلوعِ اسلام'' کا زرِ شرکت درجِ ذیل ہے

اندرون ملک:

فی پرچہ: 50 روپے	سالانہ: 550 روپے	بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے

بیرونِ ملک:

سالانہ: 2500 روپے	بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک: 4000 روپے

ہماری کوشش رہتی ہے کہ طلوعِ اسلام کو خوب سے خوب تر کیا جائے جس کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا پاکستان میں چھپائی کا سامان روز بروز مہنگا ہونے کی وجہ سے ہمیں دو تین سال بعد مجبوراً زرِ شرکت میں اضافہ کرنا پڑتا ہے تاکہ آمدن اور اخراجات میں توازن پیدا کیا جا سکے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ '' طلوعِ اسلام '' اب آن لائن ہماری ویب سائٹس اور سوشل میڈیا جیسا کہ فیس بک، ٹوئٹر وغیرہ پر بھی فری دستیاب ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے قارئین بلا قیمت اِس کو انٹرنیٹ کے ذریعے پڑھتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں آپ کے تعاون کی مزید ضرورت ہے تاکہ یہ سلسلہ خوش اسلوبی سے چلتا رہے۔

اِدارہ طلوع اسلام کے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code : NBPAPKKAA02L

National Bank of Pakistan Main Market, Gulberg Lahore

ادارہ طلوعِ اسلام 25-B گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان)
فون: 042-35714546 E-mail: idarati@gmail.com

عمر احمد عثمانی صاحب (مرحوم)

قرآنی معاشرہ

باہمی تعلقات کے متعلق قرآن کی تعلیم

(اس مضمون کی پچھلی قسط میں یہ بتایا گیا تھا کہ والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے اور اس سلسلہ میں خود ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں یہ مضمون اُسی کا بقیہ حصہ ہے۔)

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (9:24)

اے پیغمبر! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں تمہارے نزدیک خدا، اس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اس وقت کا انتظار کرو کہ خدا کا فیصلہ صادر ہو جائے۔ یاد رہے کہ خدا ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جو صحیح راستہ سے کترا کر نکل جانا چاہتے ہوں۔

لہٰذا قانونِ خداوندی سے اگر اولاد کی محبت ٹکراتی ہے تو ایسے موقعہ پر ہمیں اولاد کی محبت کو لامحالہ خیر باد کہہ دینا ہوگا۔ کیونکہ ایمان کی تو شرط ہی یہ ہے کہ ہر قیمت پر قانون خداوندی کی اطاعت کی جائے۔ خواہ اس کی زد ہمارے ماں باپ پر پڑتی ہو یا اولاد پر۔ اس کی زد اپنی بیوی پر پڑتی ہو یا خود اپنے نفس پر جو شخص قانونِ خداوندی کے مقابلہ میں ان رشتہ داروں کی محبت کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ قرآن کی نگاہ میں مومن ہی نہیں ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔۔۔(58:22)

ترجمہ: اے پیغمبر اسلام! تمہیں ایسے لوگ نہیں ملیں گے جو ایک طرف خدا اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہوں اور دوسری طرف ایسے لوگوں سے محبت بھی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں۔ خواہ ایسے لوگ ان کے ماں باپ، بیٹے، بھائی یا اہل خاندان ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کی دولت لکھ دی ہے۔ وہ اپنی طرف سے وحی خداوندی کے ذریعہ سے ان کی تائید و نصرت کرتا ہے اور انہیں ایسے سدا بہار باغات میں داخل کر دیتا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ خدا ان سے راضی رہتا ہے اور وہ خدا سے راضی رہتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کی پارٹی ہیں اور واضح رہے کہ اللہ کی پارٹی ہی کی کھیتیاں پروان چڑھتی ہیں۔

ایک مومن کے دل میں قوانین خداوندی کی کشش و جاذبیت کے ساتھ ایسی اولاد کی محبت یکجا ہو ہی نہیں ہو سکتی جو ان قوانین کے خلاف جا رہی ہو۔ ایک دل میں یا تو، خدا اور اس کے رسول کی محبت سما سکتی ہے اور یا اس کے مخالفین کی محبت، دونوں کی محبتیں بیک وقت ایک دل میں سما ہی نہیں سکتیں۔

والدین کو یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ خدا کی نافرمان اولاد ایک مومن کے خاندان کا فرد ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر تمہاری اولاد خدا کی مطیع و فرمانبردار نہیں تو تمہارا اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ وہ حیاتیاتی طور پر (Biologically) تمہاری اولاد ہو سکتی ہے مگر تمہارے ''اہل'' میں سے ہرگز نہیں کہی جا سکتی۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (11:45-46)

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا۔ خدایا میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا اور تیرا وعدہ (کہ میرے اہل و عیال طوفان سے محفوظ رہیں گے) تو سچا تھا اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (پھر میرا بیٹا طوفان میں کیوں غرق ہو گیا) خدا نے جواب دیا۔ اے نوح! تمہارا وہ بیٹا تمہارے اہل میں سے نہیں تھا۔ وہ غیر صالح اعمال کا مرتکب تھا (پھر وہ تمہارے اہل میں سے کیسے ہو سکتا ہے) تم مجھ سے ایسی بات کے متعلق سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہل لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

اس واقعہ کو بیان کر کے قرآن کریم نے اپنے اور پرائے کی وہ تفریق کر دی ہے جس کے بعد کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اپنا وہ ہے جو تمہارے نظریۂ زندگی یعنی (ideology) میں تمہارا ساتھی ہو اور تم سے متفق ہو۔ جو تمہارے نظریۂ زندگی میں تمہارا ساتھی نہیں۔ وہ تمہارا اپنا نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ تقسیم ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے چلی آ رہی ہے۔ نسل، رنگ، خون، زبان، ملک اور زمین کی اپنایت سے کوئی اپنا نہیں بن جاتا۔ نسلی اعتبار سے بیٹے کے مقابلہ میں اور کون اپنا ہو سکتا تھا۔ لیکن قرآن کی نگاہ میں جب بیٹا بھی نظریۂ حیات کے اعتبار سے باپ سے الگ راہ اختیار کرے تو وہ بھی اپنا نہیں رہتا بلکہ وہ ہزار بیگانوں کا ایک بیگانہ بن جاتا ہے۔

اس حقیقت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور بھی واضح کر دیا ہے جہاں انہوں نے جناب باری میں یہ دعا مانگی ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (14:35-36)

یاد کرو جب ابراہیم نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار اس شہر کو پرامن شہر بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھنا۔ خدایا ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اس کے بعد جو میری پیروی کرے گا وہ میری اولاد ہو گا اور جو میری نافرمانی کرے گا (تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہو گا) البتہ خدایا تو سامان حفاظت عطا کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صاف وضاحت کے ساتھ فرما دیا ہے کہ میری اولاد میں سے جو میرا مطیع ہو گا وہ تو میری اولاد ہے اور جو میرا مطیع و فرمانبردار نہیں ہو گا اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ البتہ یہ نیک آرزو ان کے لیے ضرور ہے کہ خدا انہیں سامان حفاظت اور مرحمت سے نواز دے اور اس طرح ان کو ہدایت حاصل کرنے کی توفیق دے دے۔

اولاد کی صحیح تربیت:

جہاں تک جسمانی تربیت کا تعلق ہے یہ انسان کا جبلّی تقاضا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی نشوونما کی فکر کرتا ہی ہے۔ مگر ماں باپ کا اتنا ہی فریضہ نہیں ہے کہ وہ ان کو جسمانی طور پر پال پوس کر جوان کر دیں یہ کام تو حیوانات بھی کر دیتے ہیں انسان کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو صحیح معنوں میں انسان بنا دے۔ اس کی اخلاقی اور نظریاتی اعتبار سے ایسی تربیت کر دے کہ وہ سوسائٹی کے لیے مفید ثابت ہو سکے۔ اس کے اعمال و کردار پر نظر رکھے اور جہاں دیکھے کہ وہ راستہ سے بھٹک رہی ہے فوراً انہیں ٹوک دے اور صحیح راہ عمل اختیار کرنے کی تنبیہ کر دے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔۔۔(31:13)

یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ خدا کی ہستی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ بلاشبہ شرک کرنا بڑا ہی ظلم ہے۔

یہی کچھ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہم السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی تھی۔

وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (2:132)

ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور پھر یعقوب نے بھی اپنی اولاد کو یہی وصیت کی تھی کہ میرے بیٹو! خدا نے تمہارے لیے اس دین کو منتخب فرمایا ہے۔ لہٰذا تم صرف اسی حالت میں موت سے ہمکنار ہونا کہ تم اس کے پورے پورے مطیع اور فرمانبردار ہو۔

حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے آخری وقت تک بھی اس فریضہ سے بے توجہی نہیں برتی۔ چنانچہ جب کشتی میں سوار ہونے لگے اور بیٹا پیٹھ موڑ کر جانے لگا تو انہوں نے اس وقت بھی اس کو پکارا اور فرمایا:

وَنَادٰی نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ (11:42)

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔ وہ الگ ایک کنارہ پر کھڑا ہوا تھا (نوح نے کہا) بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھی نہ بنو۔

اولاد کے لیے نیک آرزوئیں:

والدین کو اپنی اولاد کے لیے ہمیشہ نیک آرزوئیں رکھنی چاہئیں۔ ظاہر ہے کہ اولاد کے لیے انسان کے دل میں یہ نیک آرزوئیں بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب وہ ان کی اخلاقی اور نظری طور پر صحیح تربیت کرنے کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہوں۔ اگر یہ جذبہ ہی ان کے دل میں نہ ہو تو اس قسم کی نیک آرزوئیں کہاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جہاں بیٹے کی پیدائش کی دعا مانگی وہاں ساتھ ہی یہ دعا بھی مانگی۔

فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۫ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا (19:6-5)

خدایا مجھے اپنے پاس سے ایک مددگار عطا فرما دے جو میرا اور اولاد یعقوب کا وارث ہو اور خدایا اسے پسندیدہ صورت و سیرت کا مالک بنانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا پہلے بھی گذر چکی ہے کہ انہوں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا تھا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (14:35)

(جاری ہے)

قرآنِ کریم کا اِنسائیکلوپیڈیا

قرآنِ مجید انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے لیکن اس کا انداز یہ نہیں کہ وہ ایک موضوع کے متعلق ایک ہی جگہ سب کچھ بیان کردے۔ اس کے متعلق وہ مختلف مقامات پر تفصیلات دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے احکام و قوانین کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ ان کے متعلق اس نے کہاں کہاں، کیا کیا کہا ہے۔ لیکن قرآن کریم پر ایسی وسیع نگاہ رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحب نے اس مشکل کو ہمارے لئے حل کر دیا ہے۔ انہوں نے چالیس سال کی محنتِ شاقہ سے قرآنِ مجید کا ایسا انسائیکلو پیڈیا مرتب کر دیا جس میں قریب دو ہزار چار سو عنوانات میں سے ہر ایک کے متعلق قرآنی آیات کے حوالے دے دیئے ہیں۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے قرآنی تعلیمات کو (Classify) کر دیا۔

اس عظیم الشان علمی و تحقیقی کتاب

تبویب القرآن

کا نیا اور کمپیوٹر کمپوزڈ ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین اِمتزاج

طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com

www.facebook.com/tolueislam.trust

Phone: +92 42 35753666

ملتان کے احباب کے لیے ضروری اطلاع



اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین
مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتا ہے



ملک محمد صفدر ایڈووکیٹ نمبر 54 محمڈن بلاک ضلع کچہری۔ ملتان فون نمبر: 0334-6093266

ادارہ طلوع اسلام کا ای میل ایڈریس ldarati@gmail.com

معزز صارف!

محکمہ ڈاک 1892ء سے لیکر آج تک اس خطے میں آپ کی خدمت کے لئے کوشاں ہے۔ ماضی میں ہر مشکل وقت میں محکمہ ڈاک نے عوام الناس کی بے پناہ خدمت کی ہے اور اُسی جذبہ کو برقرار رکھتے ہوئے ہم آپ کی مزید خدمت کرنا چاہتے ہیں موجودہ دور میں محکمہ ڈاک کو بڑے چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس تناظر میں محکمہ ڈاک نے آپ کی خدمت کے لیے اپنا دائرہ کار وسیع کیا ہے۔ اب آپ:

- بجلی، گیس، پانی اور ٹیلی فون کے بل اپنے قریب ترین ڈاکخانہ میں جمع کرا سکتے ہیں۔
- اپنے پیاروں کے بیرونِ ملک سے بھیجے گئے پیسے ویسٹرن یونین کے ذریعے مقرر کردہ ڈاکخانوں سے وصول کیے جا سکتے ہیں۔
- رقم کی منتقلی اب برقی اور فیکس منی آرڈر کے ذریعے فوری طور پر ممکن ہے۔
- ارجنٹ میل سروس کے ذریعے اپنی ڈاک پورے ملک میں پہنچائیں۔
- وی۔ پی۔ پارسل/ لیٹر کے ذریعے اپنے کاروبار کو مزید مستحکم کر سکتے ہیں۔
- اپنی پوری عمر کی جمع پونجی اور بچت قریب ترین ڈاکخانے میں سیونگ بنک میں جمع کروا سکتے ہیں۔
- آپ سے التماس ہے کہ آپ قریب ترین ڈاکخانہ میں تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں۔

شکایات کے ازالے کے لیے مندرجہ ذیل فون نمبرز پر صبح 09:00 بجے سے شام 08:00 بجے تک رابطہ کر سکتے ہیں۔

Ph:042-99210971, 042-99239794 Cell:0321-6772525, 0335-6161400
Fax: 042-99211323 Email: ccpmgpunjab@yahoo.com

نوٹ: یہ اشتہار محکمہ ڈاک پنجاب کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔

آپ کے تعاون کے لیے شکر گزار محکمہ ڈاک

لغات القرآن

ن س خ

نسخ کے معنی ہیں ایک چیز کو مٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا۔ دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دینا (ابن فارس)۔ نسخت الشمس الظل۔ آفتاب نے سایہ کو ہٹا دیا اور اس کی جگہ روشنی لے آیا۔ یا کسی چیز میں تبدیلی کر دینا۔ نسخت الریح آثار الدیار۔ ہوا نے آبادی کے آثار (نشانات وعلامات) کو تبدیل کر دیا (یعنی وہ کھنڈرات وغیرہ جن سے آبادی کا پتہ نشان ملتا تھا انہیں ریت سے ڈھانک کر دگرگوں کر دیا)۔ نسخ الکتاب۔ ایک کتاب کو نقل کر کے اس جیسی دوسری کتاب مرتب کر لینا۔ اسی سے النسخۃ منقول (Copied) کتاب کو کہتے ہیں (تاج۔ محیط وراغب)۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ (45:29)۔ ''ہم لکھوا لیتے تھے''۔ مٹا دینے یا زائل کر دینے کے معنوں میں یہ لفظ (22:52) میں آیا ہے۔ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ ''اللہ مٹا دیتا ہے''۔

لہٰذا نسخ کے بنیادی معنی ہیں ایک چیز کی جگہ دوسری چیز لے آنا۔ اس لفظ کی اہمیت اس لئے ہے کہ ہمارے ہاں ناسخ و منسوخ کا عقیدہ چلا آ رہا ہے اور اسے دین کے مہمات میں سے سمجھا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہے بھی بہت اہم۔ اس لئے کہ اس کا غلط مفہوم دین کو اس کی جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے اور اس کا صحیح مفہوم قرآن کو خدا کے دین کا آخری اور واحد ضابطہ ثابت کر دیتا ہے۔

ناسخ ومنسوخ کا مروجہ مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں (بعض کے نزدیک ان کی تعداد پانچ سو تک ہے) جو پڑھی تو جاتی ہیں لیکن جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ پھر سن لیجئے کہ (اس عقیدہ کے مطابق) قرآن کریم میں پانچ سو کے قریب ایسی آیات ہیں جنہیں محض ''ثواب'' کی غرض سے پڑھ لیا جاتا ہے لیکن ان میں جو احکام ہیں وہ سب منسوخ ہو چکے ہیں۔ بعض احکام قرآن کریم کی دوسری آیات نے منسوخ کر دیئے ہیں اور بعض احکام احادیث نے منسوخ کر دیئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہے کہ بعض آیات ایسی بھی ہیں جو قرآن کریم کے اندر موجود نہیں لیکن ان کا حکم موجود ہے (مثلاً آیہ رجم۔ یعنی زانی کو سنگسار کرنے کے حکم والی آیت)۔ اس عقیدہ کی رو سے قرآن کریم کی شکل یوں بنتی ہے کہ:

(۱) قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے احکام تو منسوخ ہو چکے ہیں لیکن جن کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ اور

(۲) ایسی آیات بھی ہیں جو قرآن کریم کے اندر تو نہیں لیکن ان کا حکم موجود ہے۔ دوسری قسم کی آیات کے لئے تو دلیل

صرف روایات کی ہے۔لیکن پہلی قسم کی آیات کے لئے خود قرآن کریم ہی کی ایک آیت سے دلیل لائی جاتی ہے۔اور وہ آیت یہ ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (2:106)۔

اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔

ہم جس آیت کو بھی منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتے ہیں۔کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا۔اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہئے۔چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔یہ حکم اس سے پہلے حکم سے بہتر ہوتا تھا۔واضح رہے کہ اس نئی آیت میں یہ کہیں نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ سمجھا جائے۔اس لئے قرآن کریم میں منسوخ آیات بھی اسی طرح سے موجود ہیں اور ناسخ آیات بھی۔اللہ نے ان کے متعلق کہیں نہیں بتایا کہ فلاں آیت منسوخ ہے فلاں آیت سے۔یہ تعین بعد میں روایات کی رو سے یا مفسرین کے اپنے خیالات کی رو سے کیا گیا۔چنانچہ ان آیات کی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔حتیٰ کہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ان کی تعداد صرف پانچ ہے۔

باقی رہا ''فراموش کرا دینے'' کا سوال۔سو اس کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آیات نازل ہوتی تھیں لیکن رسولؐ اللہ (معاذ اللہ) انہیں بھول جاتے تھے۔تو پھر انہی جیسی آیات اور نازل ہو جاتی تھیں۔یہ مراد ہے اَوْ نُنْسِهَا سے۔اس کی دلیل میں یہ آیۃ پیش کی جاتی ہے۔سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ○ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ... (87:6-7) جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ہم تجھے پڑھائیں گے سو تو نہ بھولے گا' ہاں مگر جو اللہ چاہتا ہے۔

اس عقیدہ کی رو سے آپ دیکھئے کہ خدا' قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔خدا کا تصور اس قسم کا کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے لیکن بعد کے حالات بتا دیتے ہیں کہ وہ حکم ٹھیک نہیں تھا اس لئے وہ قرآن کریم کے اس حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیتا ہے۔

قرآن کریم کے متعلق یہ کہ اس میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی تلاوت برابر ہو رہی ہے اور یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ کونسی آیت منسوخ ہے اور کونسی ناسخ۔اسے لوگوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ کونسی آیت منسوخ ہے اور کونسی اس کی ناسخ۔

اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ تصور کہ حضورؐ خدا کی طرف سے نازل کردہ قرآنی آیات کو بھی بھول جایا کرتے تھے۔ یا للعجب!

ناسخ ومنسوخ کا صحیح مفہوم آگے آئے گا۔۔۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى کے صحیح مفہوم کے لئے عنوان ن۔س۔ی دیکھئے جہاں اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔

اب دیکھئے اس آیت (مَا نَنْسَخْ .....) کا صحیح مفہوم۔ پیچھے سے سلسلۂ کلام یوں چلا آتا ہے کہ اہل کتاب (بالخصوص یہود) قرآن کریم اور رسالت محمدیہؐ پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں (قرآن کریم ان اعتراضات کا جواب دیتا ہے)۔ اسی سلسلہ میں ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا (اور یہ اعتراض بڑا اہم تھا) کہ جب خدا نے انبیاء سابقین (مثلاً حضرت موسیٰؑ وغیرہ) پر اپنے احکام نازل کر دیئے تھے اور وہ احکام توریت وغیرہ میں موجود ہیں۔ تو پھر ان کی موجودگی میں اس نئے رسول اور نئی کتاب کی ضرورت کیا تھی؟ اس آیت میں اسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کی طرف سے سلسلۂ رشد وہدایت حضرت نوحؑ کے زمانے سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ رہی ہے کہ مختلف انبیاء کی وساطت سے جو وحی بھیجی جاتی تھی ان میں ایک حصہ ان احکامات پر مشتمل ہوتا تھا جو وقتی ہوتے تھے اور ان کا تعلق خاص اسی قوم سے ہوتا تھا جس کی طرف وہ احکام بھیجے جاتے تھے اور انہیں انہی حالات میں نافذ العمل رہنا ہوتا تھا جو اس زمانے کے تقاضے سے پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں، جب وہ قوم نہ رہتی یا زمانے کے تقاضوں سے وہ حالات بدل جاتے تو ایک اور رسول آ جاتا اور وہ ان احکام کی جگہ دوسرے احکام لے آتا۔ اس طرح یہ جدید وحی اس سابقہ وحی کی قائم مقام (ناسخ) بن جاتی۔ یہ سلسلہ شروع ہی سے ایسا چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ تم خود دیکھ رہے ہو کہ توریت کے کتنے احکام ہیں جنہیں حضرت عیسیٰؑ نے آ کر بدل دیا (یہ بدلے ہوئے احکام انجیل میں موجود ہیں)۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اس کی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آ رہی ہے۔ اس لئے ہر قوم کو اس کے حالات اور ارتقائی سطح کے مطابق ہی احکام دیئے جاتے تھے۔ ان کی سطح سے بلند احکام وقوانین روک لئے جاتے تھے۔ تا آنکہ ان کے بعد دوسری قوم آتی جو ارتقائی منزل میں ان سے آگے ہوتی۔ تو وہ ''روکے ہوئے'' احکام وقوانین اس وقت نازل کر دیئے جاتے۔ تنزیل وحی میں یہ اصول بھی کارفرما رہا ہے۔

نیز یہ شکل بھی ہوتی کہ ایک رسول کے چلے جانے کے بعد اس کی قوم اس کی وحی کے بعض حصوں کو ترک کر دیتی۔ بعض کو فراموش کر دیتی۔ اس لئے ان ترک کردہ یا فراموش کردہ حصوں کو (جن میں کسی تغیر وتبدل کی ضرورت نہ ہوتی) بعد میں آنے والے رسول کی وحی سے از سر نو تازہ کر دیا جاتا۔

یہود سے کہا گیا کہ وحی کا سلسلہ اس طرح چلا آ رہا ہے۔ اب وہ دور آ گیا ہے جس میں انسانی شعور پختگی حاصل کر لے گا۔ لہٰذا اب انتظام یہ کیا گیا ہے کہ۔

(۱) سابق انبیاء کی وحی کے وہ تمام احکام جو ان کی قوم کے حالات اور ان کے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ مخصوص

تھے منسوخ کر کے ان کی جگہ دوسرے احکام وقوانین بھیج دیئے جائیں اور چونکہ وحی کا یہ سلسلہ اب ختم ہو رہا ہے اس لئے یہ احکام وقتی اور ہنگامی نہیں ہوں گے بلکہ ابدی طور پر انسانیت کا ساتھ دینے والے ہوں گے۔ اس لئے یہ احکام وقوانین سابقہ احکام سے بہتر ہوں گے۔

(۲) وہ قوانین جنہیں پہلے روک لیا گیا تھا کیونکہ ہنوز انسانیت اس سطح پر نہیں پہنچ سکی تھی کہ انہیں سمجھ سکے یا اپنا سکے' اب انہیں بھی نازل کر دیا جاتا ہے' کیونکہ قرآن کریم انسانیت کی بلند ترین سطح تک اس کا ساتھ دے گا۔

(۳) اور سابق انبیاء کی وحی کے وہ احکام وقوانین جنہیں ان کی قوموں نے ترک کر دیا تھا۔ یا فراموش کر دیا تھا (یا جن میں انہوں نے تحریف کر دی تھی) ان کی تجدید کر دی گئی ہے (ان کی مثل احکام دے دیئے گئے ہیں)۔

یہ ہے وہ ضرورت جس کے لئے ایک نئے رسول اور نئی کتاب کو بھیجا گیا ہے اور یہ ہے وہ وجہ کہ اب تمام سابقہ کتابوں کی جگہ اسی قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اب اس کے سوا ہدایت کی کوئی اور راہ نہیں۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ (2:137)۔ اگر یہ بھی اسی طریق پر ایمان لائیں جس طرح (اے جماعت مومنین) تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ لوگ ہدایت پا سکیں گے اور اگر اس راہ سے اعراض برتیں گے تو پھر خدا کے راستے کے مخالف سمت جائیں گے۔

یہ ہے صحیح مفہوم مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا کا۔ اب دیکھئے کہ ان الفاظ کے لغوی معنی کس طرح اس مفہوم کے آئینہ دار بنتے ہیں۔

نسخ کے معنی ہم نے اوپر دیکھ ہی لئے ہیں۔ کسی چیز کی جگہ کسی دوسری چیز کو لے آنا۔ آیت کے معنی صرف قرآن کریم کی آیات نہیں۔ قرآن کریم نے ہر رسول کی وحی کو آیات اللہ کہا ہے۔ مثلاً اسی سورۃ بقرہ میں قصۂ آدم میں ہے کہ آدم سے کہا گیا۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (2:38)۔ جب بھی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو کوئی اس ہدایت کی اتباع کرے گا اسے کوئی خوف اور حزن نہیں ہوگا اور اس سے آگے ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ ... (2:39) ان کے برعکس' جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کریں گے اور ان سے انکار کریں گے..... یہاں سے ظاہر ہے کہ جہاں اور جب بھی خدا کی طرف سے ہدایت آئی ہے اسے آیات اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ میں آیات سے مراد قرآن کریم کی آیات نہیں بلکہ اس سے مراد ہے کسی سابق وحی کی آیات کی تبدیلی بعد کی وحی کی آیات سے۔ جیسا کہ سورۃ نحل میں کہا گیا ہے۔ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ (16:101)۔ ''اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں''۔

اس کے بعد لفظ نُنْسِهَا ہے۔ یہ لفظ نسی سے ہے۔ نسی کے معنی کسی چیز کو ترک کر دینا' یا فراموش کر دینا' آتے ہیں۔

(دیکھئے عنوان ن۔س۔ی)۔ اس لفظ میں یہ ساری حقیقت آ جاتی ہے کہ سابقہ کتب آسمانی اپنی اصل حالت میں باقی نہیں رہتی تھیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ جو رسول بھی آیا اس کے ساتھ یہی ہوا کہ اس کی وحی میں سرکش اور مفسد لوگوں نے اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔ لیکن خدا کی طرف سے ایسا ہوتا رہا کہ ان کی اس آمیزش اور ملاوٹ کو الگ کر دیا جاتا اور اس طرح اللہ اپنی آیات کو از سرِ نو محکم کر دیتا (22:52)۔ یا وہ اس وحی کے کچھ حصے کو ترک ہی کر دیتے تھے۔ اس حصہ کو خدا نئے رسول کی وحی میں پھر شامل کر دیتا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت (یا اس کی مثل اس جیسی آیت) سے مراد سابق وحی کی آیات ہیں نہ کہ قرآن کریم کی ایک آیت کی جگہ دوسری آیت۔

نسی کے معنی کسی چیز کو علیٰ حالہٖ چھوڑ دینے کے بھی ہیں۔ اس اعتبار سے آیت نُنْسِهَا سے مفہوم یہ ہوگا کہ جن سابقہ احکام کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہوتا کہ انہیں علیٰ حالہٖ رہنے دیا جائے انہیں ہم نئے رسول کی وحی میں اسی طرح شامل کر دیتے۔

اس اعتبار سے قرآن کریم ایک طرف تمام انبیاء سابقہ کی وحی کا مھیمن ہے (5:48)۔ یعنی اس کے اندر وہ تمام قوانین محفوظ ہو گئے ہیں اور دوسری طرف خدا کو جس قدر احکام نوع انسانی کے لئے دینے تھے ان سب کی تکمیل ہو گئی ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (6:115)۔ نہ خدا کی طرف سے اب کسی تبدیلی کی ضرورت باقی ہے اور نہ انسانوں میں سے کوئی اس میں ردوبدل کر سکے گا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے (15:9)۔

اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ خدا نے وحی کے سلسلہ کو اس طرح کیوں رکھا۔ تو اس کا جواب یہ کہہ کر دے دیا کہ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (2:106)۔ خدا کے ہاں ہر بات کے اندازے مقرر ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ انسانوں کو کس زمانے میں کس قسم کے احکام ملنے چاہئیں اور وہ دور کب آئے گا جب انہیں مکمل ضابطۂ حیات دے دیا جائے۔ یہ سب کچھ ان اندازوں کے مطابق ہوتا ہے جن پر اسے پوری پوری مقدرت حاصل ہے۔

یہ ہے ناسخ و منسوخ کا صحیح مفہوم۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس میں ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ اس کا ہر حکم اپنی جگہ محکم و غیر متبدل ہے۔ البتہ ہر حکم خاص حالات کے ماتحت نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جب حالات بدل جائیں تو اس کی جگہ قرآن کا دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ کے لئے وضو کا حکم ہے۔ لیکن اگر پانی نہ ملے یا انسان مریض ہو تو وضو کی جگہ تیمم کا حکم ہے (5:6)۔ ان حالات میں وضو کا حکم پیچھے ہٹ جائے گا اور تیمم کا حکم آگے آ جائے گا۔ جب پانی مل جائے گا (یا مرض جاتا رہے گا) تو پھر وضو کا حکم آگے آ جائے گا اور تیمم کا حکم پیچھے چلا جائے گا۔

یا مثلاً قرآن کریم نے چور اور زانی (وغیرہ) کے لئے سزا مقرر کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں چوری اور زنا کی وارداتیں نہ ہوں تو قرآن کریم کے (سزاؤں کے متعلق) احکام نافذ العمل نہیں ہوں گے۔ یا مثلاً اگر کسی معاشرہ میں مفلس، محتاج، گدا گر نہ رہیں تو خیرات وغیرہ سے متعلق احکام نافذ نہیں ہوں گے۔ یا مثلاً اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر نہ مرے تو وراثت

کے احکام اس پر نافذ نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا معاشرہ متشکل ہو جائے جس میں فالتو دولت یا جائداد کسی کے پاس نہ ہو تو وراثت کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ ان امور کو ''ناسخ و منسوخ'' سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ احکام اپنی جگہ موجود رہتے ہیں۔ جب وہ حالات پھر پیدا ہو جائیں جن کے ماتحت انہیں نافذ ہونا تھا' تو وہ پھر نافذ ہو جاتے ہیں۔ ''منسوخ'' اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے ساقط ہو جائے اور کبھی نافذ نہ ہو سکے۔ قرآن کریم میں ایسا کوئی حکم نہیں۔

مَا نَنْسَخْ والی آیت (2:106)۔ یا سورۃ النحل کی آیت اِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ (16:101) میں اگر آیۃ سے مراد کائناتی حوادث و وقائع لئے جائیں (جنہیں قرآن کریم متعدد مقامات پر ''آیات اللہ'' کہہ کر پکارتا ہے) تو ''نسخ آیت'' سے مراد ہو گا نظام کائنات کے کسی ایک طریق یا مظہر کی جگہ کسی دوسرے طریق یا مظہر کا آ جانا۔ ارباب علم و تحقیق سے پوشیدہ نہیں کہ کائنات میں اس قسم کے تبدلات کس طرح آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔

لیکن چونکہ ہر دو مذکورہ بالا آیات کے سیاق و سباق کا تعلق وحی سے ہے اس لئے ہم پہلے بیان کردہ مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں' اگرچہ دوسرے مفہوم کی رو سے معانی میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

اول الذکر مفہوم ہو یا ثانی الذکر' یہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جو منسوخ ہو۔ اس غیر متبدل صحیفۂ آسمانی کا ایک ایک حرف اپنے مقام پر اٹل ہے اور اٹل رہے گا۔ واللہ علیٰ ما نقول شہید۔

☆.....☆.....☆

طلوعِ اسلام میں اشتہارات کے نئے ریٹس

جنوری 2016ء سے طلوعِ اسلام میں چھپنے والے اشتہارات کے نئے ریٹ درجِ ذیل ہیں۔

ٹائٹل صفحات

	ماہانہ وار	سالانہ
بیک ٹائٹل بیرونی (چار رنگہ آرٹ پیپر)	6,000/- روپے	60,000/- روپے
اندرونی ٹائٹل (ایک رنگہ آرٹ پیپر)	4,000/- روپے	40,000/- روپے
اندرونی ٹائٹل (چار رنگہ آرٹ پیپر)	5,000/- روپے	50,000/- روپے

اندرونی صفحات

	ماہانہ وار	سالانہ
مکمل صفحہ (یک رنگہ)	3000/- روپے	30,000/- روپے
نصف صفحہ (یک رنگہ)	1500/- روپے	15,000/- روپے
اشتہار ضرورتِ رشتہ (چوتھائی صفحہ، یک رنگہ)	2,000/- روپے	

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

تحریک طلوعِ اسلام کی قرآنی خدمات

انسان مجموعی طور پر جس قدر ترقی کر رہا ہے وہ دیگر اعمال کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کی مدد سے کائنات کو بھی تسخیر کرتا چلا جا رہا ہے۔ کائنات کی تسخیر سے اسے زیادہ سے زیادہ قوت و طاقت حاصل ہو رہی ہے۔ آج سے چند سو سال پیشتر ایک آدمی لکڑی کی تلوار سے چند لوگوں کو زخمی یا قتل کر سکتا تھا، لیکن اب ہر شخص کو اتنی قوت حاصل ہو گئی ہے کہ وہ بندوق، پستول، توپ اور بم کے ذریعے ہزاروں آدمیوں کو بیک وقت قتل کر سکتا ہے۔ انسان کی قوت تو بے اندازہ بڑھی، لیکن انسان کو اس قوت کا استعمال کرنے پر کوئی پابندی نہیں رہی۔ جس کی وجہ آج ساری دُنیا شیروں کا Den بنی ہوئی ہے جس میں جتنی قوت ہے وہ اسی قدر انسانیت کو تباہ کر سکتا ہے۔ مزید یہ کہ وطن پرستی کے جذبہ نے اس قوت کے استعمال کا جواز بھی فراہم کر دیا کہ اسے ملک کے دفاع یا دوسرے ممالک کو exploit کرنے میں جو قوت اِستعمال ہوتی ہے وہ جائز سمجھی جاتی ہے۔ اس مادر پدر آزادی کا نتیجہ یورپ کی دو جنگیں تھیں جنہوں نے ساری انسانیت کو ہلا کر رکھ دیا اور جن میں کئی کروڑ آدمی بن موت مارے گئے۔ اس وقت چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ قرآن نے فرمایا تھا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (30:41) اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں فساد ہی فساد پھیل جاتا ہے۔ جب انسان اپنے وضع کردہ نظام کے تحت زندگی بسر کرتا ہے جس میں انسانی فکر پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اس نظام کے متعلق ارشاد ہے فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا (73:17) اور اگر تم رَبّانی نظام کے منکر ہو گئے اور تم نے اپنا وضع کردہ نظام ہی جاری رکھا تو اس نظام میں اتنی پریشانی اور تکلیف ہو گی کہ اس میں لڑکے بھی بوڑھے ہو جائیں گے۔ ہمارے موجودہ نظام کا یہ حال ہے کہ ہمارا 40 سال کی عمر کا مزدور 60 سال کی عمر کا معلوم ہوتا ہے ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط (24:40) ترجمہ: اندھیرے میں ایک پر ایک وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (24:40) اگر وہ آسمانی روشنی میسر نہیں آتی، تو پھر کہیں سے بھی روشنی نہیں مل سکتی ساری دُنیا ہمارے سامنے ہے۔ اِسی دُنیا میں اللہ پر ایمان لانے والے بھی ہیں اور اللہ کے منکر بھی۔ مگر اندھیر سب طرف ہے، ہر شخص اور ہر قوم دوسروں کو Exploit کر رہی ہے۔ شہروں میں یہ حالت ہے کہ لوگ پڑوسیوں سے ڈرتے ہیں اور سہمے ہوئی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس تاریک ترین دور میں جبکہ ساری دُنیا میں گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے، اور

انسانیت اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے، تحریک طلوع اِسلام قرآن کریم کا نور لے کر اُٹھی ہے نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ (6:122) ترجمہ: ایک نور جس کے ذریعے وہ لوگوں میں قرآن کا نور پھیلا رہی ہے۔ اس تحریک نے انسانیت کو قرآنِ خالص کے نور سے متعارف کرایا، اس تحریک کی خدمات کا احاطہ کرنا مشکل ہے، چند نمایاں خدمات کا تذکرہ اس مضمون میں ممکن ہے۔ یہ تذکرہ صرف تحدیثِ نعمت کے طور پر ہے، اس کا سبب کوئی احساس ترفع نہیں ہے۔

اپنا زریں دور ختم کرنے کے بعد سے تقریباً ہزار بارہ سو سال سے مسلمان زوال پذیر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اور ان کے زوال میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ اس طویل عرصہ کے دوران مسلمانوں میں بڑے بڑے مفکر، عالم، سکالرز، مصلح پیدا ہوئے اور تقریباً سب نے ہی مسلمانوں کی بگڑی بنانے کی کوشش کی، لیکن کسی کی کوئی محنت کارگر ثابت نہ ہوئی، اور مسلمانوں کی تباہ حالی نہیں رُک سکی۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ کسی نے زوال کا اصل مرض تشخیص ہی نہیں کیا، بلکہ زوال کے جو اسباب تھے اُنہیں ہی مسلمانوں کا علاج خیال کیا گیا کہ یکا یک مبدا فیض کی کرم نوازی ہوئی اور علامہ اقبال جیسا زیرک مفکر پیدا ہوا اور اس نے مسلمانوں کے مرض کی بالکل صحیح تشخیص پیش کر دی۔ اُنہوں نے پہلے دین و مذہب کے فرق کو Detect کیا، اور پھر مسلمانوں کو بتایا کہ ان کے زوال کا اصل سبب دِین کو مذہب میں تبدیل کر دینا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیوٹ، نجی تعلق کا نام ہوتا ہے۔ جس کا وجود صرف انسان کے اپنے ذہن کے اندر ہوتا ہے۔ خدا سے یہ تعلق پرستش کے چند رسومات کے ذریعے قائم کر لیا جاتا ہے۔ اور اس سے انسان یہ دھوکہ کھا جاتا ہے کہ ان رسومات کے ذریعے اس کا تعلق خدا سے قائم ہے۔ یہ تعلق داخلی اور انفرادی ہوتا ہے۔ اس تعلق باللہ کے لئے کسی نظام کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ مذہب کے اِس تصور کے بالکل خلاف دین ایک حقیقت ہے، دین اِس نظام کا نام ہے جو مستقل اِقدار پر قائم ہوتا ہے۔ اس کا دائرہ انسان کی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہوتا ہے۔ دین کے نظام میں چونکہ اللہ کے احکامات جاری ہوتے ہیں اس لئے اللہ کی عبادت اور رسول کی اطاعت کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس نظام کی اطاعت کی جائے، اس طرح دین میں پرستش کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اس کی عملی مثال یہی ہے کہ اللہ کا دیا ہوا دین جس کو رسول اللہ نے عملاً مدینہ میں نافذ کیا تھا اس کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی۔

دین کے نظام میں ایک زندہ اتھارٹی موجود ہوتی ہے، وہ اتھارٹی اپنے رفقاء سے مشوروں کے بعد احکامات جاری کرتی ہے۔ اور اس طرح نافذ کردہ فیصلوں کی اطاعت، اللہ و رسول کی اطاعت ہوتی تھی۔ اس نظام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہوتے ہیں۔ اس نظام میں رزق کی فراوانی حاصل ہوتی ہے (17:31,6:151,11:6) مسلمانوں کو غلبہ و اِقتدار اسی نظام کے ذریعے حاصل ہوتا ہے (47:35,3:139,4:141) اس نظام میں ایک ایک فرد کی پوری پوری صلاحیتیں

(Potentialities) نشوونما حاصل کرتی ہیں۔اس نظام کی اساس چونکہ اللہ کی صفات پر ہوتی ہے،اس لئے اس نظام میں اللہ کی صفات کا ہر وقت ظہور ہوتا رہتا ہے۔اور اللہ کی صفات اِس نظام میں جلوہ گر رہتی ہیں۔مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب اسی نظام کو چھوڑ دینا ہے،مسلمان اگر اب بھی دوبارہ عروج و اِقتدار حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ انسانوں کے وضع کردہ نظام سے انکار کریں ، اللہ کے دین کو قائم کریں تو ان کا یقیناً عروج حاصل ہوگا۔غیر اسلامی نظام زندگی بسر کرنا جرم ہے (6:123) جو غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے (4:97) اس نظام کے ذریعے ہی دُعائیں پوری ہوتی ہیں (58:1,27:62) ہم اس نظام میں جتنے امور بھی سرانجام دیتے ہیں وہ اللہ کی عبادت ہوتے ہیں، کیونکہ قرآن کے ہر حکم کی اطاعت اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔

اس نظام کے قیام میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہم مسلمانوں کا روحانیت کا تصور ہے،روحانیت میں کسی نظام کا تصور نہیں ہوتا یہ کونوں، گوشوں، زاویوں کی متلاشی ہوتی ہے۔قرآن کریم میں روحانیت کا لفظ تک نہیں آیا۔قرآن کریم میں روح کا لفظ ''وحی'' وحی پانے والے کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ہمارے ہاں صوفیاء اور علما نے روح کو مادہ کے مقابل رکھا ہے ان کے روحانیت کے غلط تصور کی وجہ سے دُنیا سے نفرت اور بیزاری پیدا ہوتی ہے اور قوم زوال پزیر ہوتی ہے۔روحانیت کے زیر اثر علم انسانی کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے۔ہمارے علماء اور عام روحانین کے نزدیک علم انسانی کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔یہ حضرات صرف اس علم کو پسند کرتے ہیں جو باطنی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔جب کوئی قوم دُنیا سے نفرت کرے گی اور علم کی تحقیر کرے گی تو اس کا لازمی نتیجہ قوم کا زوال ہوتا ہے۔

تحریک طلوع اِسلام نے روحانیت کا مروجہ تصور غلط قرار دے کر اس کا صحیح عقیدہ پیش کیا ہے،قرآن کریم نے تخلیق انسانی کے بارے میں ارتقاء کی وہی منازل (Stages) بیان کی ہیں جو عام حیوانات طے کرتے ہیں،اس کے بعد انسان کو حیوانات سے اس طرح الگ کیا ہے کہ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهٖ (32:9) اس میں اللہ نے اپنی طرف سے روح پھونکی اور اک نتیجہ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ط (32:9) انسان کو سماعت، بصارت اور دماغ عنایت کیا۔قرآن کریم میں روحِ خداوندی کا ذکر تو ہے،لیکن قرآنِ کریم میں انسانی روح کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔کیونکہ جب یہ روح (توانائی) انسان کو دے دی جاتی ہے تو پھر قرآنِ کریم اس توانائی کو نفس کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔اِسی کو انسانی ذات یا Self بھی کہتے ہیں،اس توانائی، یعنی نفس انسانی کو نشوونما دینا،اس کو ترقی دینا انسان کی زندگی کا مقصد قرار دیا گیا ہے،چونکہ قرآن نے روحانیت کا لفظ استعمال نہیں کیا اور روحانیت کا تصور ہی خلافِ قرآن ہے،اس لئے قرآن نے ''روحانیت'' حاصل کرنے کے طریقوں سے بھی

بحث نہیں کی۔ ہمارے صوفیائے کرام نے روحانیت بڑھانے کے طریقے خود ہی ایجاد کئے ہیں۔ لیکن چونکہ قرآن کریم نفس انسانی کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اس لئے قرآن نے خود نفس انسانی کے نشوونما کے اُصول بتا دیئے ہیں، روحانیت میں ترقی حاصل کرنے سے قوم زوال پذیر ہوتی ہے، لیکن نفس کی تربیت سے ایسا معاشرہ وجود پذیر ہوتا ہے جو از خود ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس معاشرہ میں دوسروں کی پرورش سے اپنی پرورش ہوتی ہے اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى (92:18) جو اپنا مال دوسروں پر خرچ کرتا ہے اس کا تزکیۂ نفس ہوتا ہے وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ (35:18) دوسروں کے تزکیۂ سے اپنا تزکیۂ ہوتا ہے۔ روح کے غلط تصور کو ترک کر کے اور نفس انسانی کا تصور اپنانے سے قوم ترقی و مرفہ الحالی حاصل کرتی ہے۔ نفسِ انسانی ان تمام صفات کی حامل ہوتی ہے جو قرآن کریم نے اللہ کی صفات بیان کی ہیں۔ انسان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان تمام اللہ کی صفات کو اپنے آپ میں زیادہ سے زیادہ پیدا کرے۔ اس طرح انسان کی ساری صلاحتیں پوری طرح نشوونما حاصل کرتی ہیں، اور بیدار ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ کے فرائض میں انسانوں کا تزکیۂ نفس کرنا بھی تھا وَیُزَكِّیْهِمْ (2:129,2:151) یہ تزکیۂ نفس اس طرح نہیں ہوتا تھا کہ رسول اللہ کسی کو کوئی خاص دُعا بتا دیتے تھے کہ وہ اس کو پڑھتا رہے یا کسی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کا تزکیہ نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے رسول ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے کہ اس میں ہر شخص کے کردار کی نشوونما ہوتی تھی اور اس کی ساری صلاحتیں بیدار ہو جاتی تھیں۔ روح کے تصور کی تردید کر کے، قرآنی نفس کا تصور پیش کرنا، تحریک طلوعِ اسلام کی منفرد خدمت ہے جو اِس تحریک نے قرآنی خدمت انجام دی ہے اور اس طرح تحریک طلوعِ اسلام نے دینی نظام کی اساس فراہم کر دی۔ اسلامی نظام کی بنیاد ہی نفس انسانی پر ہوتی ہے۔

(3) تحریک طلوعِ اسلام کی تیسری بڑی اہم خدمت یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رہنمائی اور ہدایت کو قرآن میں محفوظ کر دیا تھا (15:9) اور یہ اعلان کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت صرف قرآن میں ہے (29:51) لیکن کچھ عناصر نے یہ عقیدہ وضع کیا کہ اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرنے کے اور بھی ذرائع ہیں۔ وحی خفی، اِلہام، القاء، کشف، رویاءِ صادقہ، اِستخارہ، تفاول یہ سب ذرائع اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم حاصل کرنے کے طریقے ہیں۔ یہ نظریہ قرآن کے بالکل خلاف ہے، اور اس سے قرآن کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ یہ عقیدہ کہ ہر انسان ہر وقت، ہر جگہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم حاصل کر سکتا ہے کس طرح مسلمانوں میں ایک ہزار سال سے برابر چلا آ رہا ہے۔ اور کسی عالم یا کسی فرقے نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ اصل یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرنے کا دروازہ ہی بند ہو گیا۔ کیونکہ ختم نبوت کا علمی مفہوم ہی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی شخص کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی علم

حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ کشف، اِلہام یا اِستخارہ کے براہ راست علم حاصل ہوتا ہے تو آپ سمجھ لیں کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ان تمام غیر قرآنی عقیدوں کی تردید کے لئے قرآن کریم کی صرف ایک ہی آیت کافی ہے جو ان تمام عقائد کی جڑ کاٹ کے پھینک دیتی ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (42:51) ترجمہ کسی بشر کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردہ کے پیچھے سے یا ملائکہ کو بھیج کر کہ وہ وحی کرے اس کے اذن سے جو وہ چاہے، وہ بڑا اعالیٰ مقام اور بڑی حکمت والا ہے۔ اس آیت کی تفسیر ہمارے مضامین میں بار بار طبع ہوئی ہے اس کا بیان تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے۔ البتہ اس آیت سے جو مضبوط اُصول مستخرج ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا تعلق انسانیت سے صرف ہم کلامی ہے، اس کے علاوہ اللہ کی ہستی کا انسانیت سے کوئی تعلق قائم نہیں ہوسکتا، انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم بھی ملا وہ صرف اور صرف کلام کے ذریعے ملا ہے۔ اس آیت کریمہ میں کلام کے تین طریقے بیان ہوئے ہیں، تینوں طریقوں میں اللہ تعالیٰ کا علم کلام ہی کے ذریعے ملا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کلام کے ذریعے ملا لِمَا يُوْحٰى (20:13)(27:82) کلام کے لئے الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔ امام راغب اِصفہانی نے مفردات میں یہی بیان کیا ہے۔ وحی خفی، الہام، القاء، کشف، رویائے صادقہ میں الفاظ نہیں ہوتے صرف ایک اشارہ ہوتا ہے یا صرف معانی منتقل ہوتے ہیں، لیکن یہ بات اس آیت کی رُو سے غلط ہے۔ بغیر الفاظ کے علم منتقل ہی نہیں ہوسکتا۔ آپ قرآن کا بس یہ اُصول یاد رکھیں، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم انسانیت کو ملا وہ صرف کلام کے ذریعے ملا تھا۔

تحریک طلوعِ اِسلام نے جو یہ نقطہ واضح کیا یہ بہت اہمیت کا حامل ہے اس سے قرآن کی اپنی اہمیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کا Credit صرف اس تحریک کو جاتا ہے، تعجب یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے امام، جیسے امام غزالی، امام بن تیمیہ، امام ابن قیم، شاہ ولی اللہ اور ان کا سارا خانوادہ ان خلاف قرآن عقائد کو تسلیم کرتا تھا اور ان تمام آئمہ کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی جو تحریک طلوعِ اِسلام نے واضح کی ہے۔

(4) تحریک طلوعِ اِسلام کی ایک قرآنی خدمت یہ ہے کہ اس تحریک نے پرستش اور اطاعت کے فرق کو Detect کیا اور اس کی وضاحت پیش بھی کی۔ ہم مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم مسلمانوں نے اطاعت خداوندی بالکل ترک کردی ہے کیونکہ اطاعت خداوندی تو صرف اِسلامی نظام کی اطاعت ہوتی ہے۔ اطاعت خداوندی تو کسی طرح بھی انفرادی طور پر نہیں ہوسکتی۔ اللہ کی پرستش انفرادی طور پر ہوتی ہے اور مسلمانوں کا سارا زور پرستش پر ہی ہے۔ یہ تہجد، یہ نوافل،

یہ تسبیح وتہلیل، تبلیغی دورے، چلے، پُرمشقت ریاضتیں، یہ سب پرستش ہے۔ان میں سے ایک چیز بھی اطاعت نہیں ہے۔ آپ اس کو اس واضح مثال سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ نے مسجد میں ایک گھنٹے پرستش کی اور اس کے بعد آپ مسجد سے باہر نکلے۔اب پہلے ہی چوراہے پر سپاہی کا رروکنے کا اِشارہ کرتا ہے،تو آپ کا رُوک لیتے ہیں۔یہ اطاعت ہے۔آپ نے پرستش اللہ کی اور اطاعت اس سپاہی کی کی جو اُس نظام کا نمائندہ ہے جو انسانوں کا وضع کردہ ہے۔

مشہور عالم دین صاحبِ ''تدبر قرآن'' جناب مولانا امین احسن اِصلاحی نے تحریر فرمایا ہے کہ ''عبادت کسی کی کرنا، اور اطاعت کسی دوسرے کی کرنا، دونوں باتوں میں ایک کُھلا ہوا تضاد ہے جس پر صرف وہی شخص مطمئن ہوسکتا ہے جس کی عقل میں بہت بڑا فتور واقع ہوگیا ہو۔(تزکیۂ نفس صفحہ 347)۔مسلمان قوم کا مجموعی طور پر یہی فتور ہے جس پر یہ قوم خلافت راشدہ کے بعد سے عمل پیرا ہے، اور اس کا عذاب بھگت رہی ہے۔ پرستش اور اطاعت کی یہ تقسیم مذہب میں ہوتی ہے۔جو زوال کا سبب بنتی ہے، مذہب میں نماز مسجد کی چار دیواری تک محدود ہوجاتی ہے۔قرآنِ کریم میں جو بھی ہدایات دی گئی ہیں یہ ضابطہ، یہ اقدار، یہ آسمانی رہنمائی، یہ سب انسانی معاملات حل کرنے کے ذرائع ہیں۔ان کا تعلق اس انسانی دُنیا سے ہے۔ان کی اطاعت کے نتائج اس دُنیا میں حاصل ہوجاتے ہیں۔ پرستش کے جو نتائج ہوں گے وہ اگلی دُنیا میں معلوم ہوں گے۔۔ پرستش کا کوئی اثر اس معاشرے پر نہیں پڑتا جبکہ اللہ کی اطاعت کے نتائج وثمرات اس دُنیا میں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔اللہ کا ارشاد ہے

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (24:53) ترجمہ: اے رسول ان (منافقوں نے) تمہاری اطاعت کی خدا سے قسمیں کھائی ہیں۔کہ اگر تم حکم دو تو وہ گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے، تم کہہ دو قسمیں نہ کھاؤ، دستور کے مطابق اطاعت اس سے بہتر ہے بیشک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے، ان سے کہو کہ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں، ایمان کے دعویٰ کی پہچان بہت آسان بات ہے اور وہ یہ ہے کہ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اطاعت ذہنی یا فکری چیز نہیں ہے بلکہ اطاعت، اطاعت ہے، اطاعت کے ساتھ قرآن نے مَّعْرُوْفَةٌ ؕ کا لفظ اس لئے لگایا ہے کہ اطاعت ایسی ہونی چاہئے جو دکھائی دے رہی ہو، اس کے نتائج سامنے آرہے ہوں، اطاعت ایک ایسا عملِ محسوس ہے جو اپنا تعارف خود کرادیتا ہے۔اسے اپنے تعارف کی ضرورت نہیں ہوتی۔اس کے برخلاف پرستش کے کوئی نتائج ہی نہیں نکلتے۔

(5) میں آپ سے محوِ گفتگو ہوں دورانِ گفتگو ''میں'' اور ''تیرے'' کا استعمال کررہا ہوں۔میرا ہاتھ، میرا پاؤں، میری جان۔یہ میری ایک ایسی چیز ہے جو میرے جسم اور میرے بدن سے الگ ہے اس کے موجود ہونے کا ثبوت ہمارا روز مرّہ کا

مشاہدہ ہے۔جس کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں، قرآن کریم نے اس کو انسانی نفس کہا ہے۔ یہ ایک توانائی (Energy) ہے جو انسان کو جانوروں سے ممیز کرتی ہے، اس توانائی کی نسبت جب اللہ سے ہوتی ہے تو یہ روحِ خداوندی کہلاتی ہے۔اور جب اس توانائی کی نسبت انسان سے ہوتی ہے تو یہ نفسِ اِنسانی کہلاتی ہے، بچہ جب تولید ہوتا ہے تو یہ صلاحیت اس بچہ کے ساتھ خوابیدہ شکل میں ہوتی ہے، یہ توانائی یا صلاحیت چونکہ نفخ روح کا نتیجہ ہوتی ہے اس لئے اس توانائی میں اللہ کی صفات کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔انسان کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس میں اللہ کی صفات کا زیادہ سے زیادہ اِضافہ کرے اس سے انسان کی ساری صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں۔اسی کو قرآن نے تزکیہ نفس کہا ہے اور یہی قربِ اِلٰہی ہے۔

جسمِ انسانی طبعی قوانین کے تحت عمل کرتا ہے۔جبکہ نفسِ انسانی چونکہ طبعی چیز نہیں ہے، اس لئے اس کی نشوونما مستقل اقدار کے مطابق کام کرنے سے ہوتی ہے۔اور یہ مستقل اقدار وحی اِلٰہی کی عطا کردہ ہیں جو اس وقت صرف اور صرف قرآن میں موجود ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان وحی کا محتاج ہوتا ہے۔اسلامی مملکت کی اساس اِس ہستی کے تصور پر ہوتی ہے ارشاد ہے وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ (4:111) جو کوئی بھی جرم کرتا ہے وہ اپنے نفس کے خلاف جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔اگر اتنی سی آیت پر کسی کو یقین ہوجائے تو پھر کوئی شخص جرم کا ارتکاب ہی نہیں کرے گا۔اسلامی مملکت میں شہری اس لئے جرم نہیں کرتے کہ یہ جرم ان کی اپنی ذات کے خلاف ہوتا ہے۔اس لئے اس مملکت میں جرائم کی شرح بہت کم ہوتی ہے۔دین تو بنیادی ذات کے عقیدہ سے وابستہ ہے چونکہ اسلامی مملکت کی بنیاد بھی مستقل اقدار پر ہوتی ہے اور ہر شخص کا یہ فریضہ ہے کہ وہ مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرے، اس طرح اس ریاست میں ہر شخص کی ساری صلاحیتیں ازخود پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔اور یہی قرآنی تزکیہ نفس ہوتا ہے۔۔تحریک طلوع اسلام نے روح کے تصور کی تردید کی، اور نفسِ انسانی کے عقیدے کی ترویج کر کے، اسلامی ریاست کی اساس فراہم کردی۔روح اور روحانیت کے عقیدے کو درست سمجھنے سے ازخود اقامت دین کی تردید ہوجاتی ہے، جو مسلمانوں کے زوال کا باعث بنتا ہے۔

(6) خلافتِ راشدہ کے انقراض کے کچھ عرصہ بعد، بنوعباس کے دور میں ہی مسلمانوں میں فرقہ بندی شروع ہوگئی تھی، اس فرقہ بندی کے شروع ہونے کے بعد ہمارا اسلامی لٹریچر تحریر کیا گیا۔تفاسیر، احادیث، تاریخ سب بنوعباس کے اسی دور میں تحریر کی گئی ہیں جو سب فرقہ بندی سے متاثر ہوئیں۔ ہر فرقے نے اپنے نقطہ نظر سے کتب تحریر کیں۔ ہمارے علماء فرقہ بندی کو بُرا نہیں سمجھتے اور کھلم کھلا اپنے آپ کو کسی فقہ سے منسلک کرتے ہیں ان علماء نے اپنے اپنے فرقے کے لباس بھی الگ الگ کردیئے ہیں، ہماری ساری مساجد کسی نہ کسی فرقے سے متعلق ہوتی ہیں۔ ہمارے پاکستانی آئین میں بھی فرقہ بندی کو Recognize کیا گیا ہے۔لیکن آپ یہ بات سن کر ضرور حیران ہوں گے کہ قرآن کریم کی رُو سے فرقہ بندی حرام اور شرک ہے اللہ کا ارشاد ہے

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (30:31-32) اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود فرقہ بن گئے۔ سب فرقے اسی میں خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔ اس آیت میں قرآن کریم نے واضح طور پر فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے۔ اس فرقہ بندی کی مزید مذمت کے لئے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ (6:159) جن لوگوں نے اپنے دین میں کئی فرقے بنائے ان سے تم کو (رسول اللہ کو) کچھ واسطہ نہیں۔ اس آیت سے خوب واضح ہے کہ فرقہ بندی کرنے والوں کا رسول اللہ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (3:103) سب مل کر اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور فرقے نہ بنانا۔ آیت کا پہلا حصہ موجبہ اور دوسرا حصہ سالبہ ہے یعنی پہلے حصے میں یہ امر ہے کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور دوسرے حصے میں نہی ہے کہ فرقہ نہ بننے دینا، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فرقہ بنتا ہی اس وقت ہے جب اللہ کی رسی (کتاب) کو ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے۔ جب تک اللہ کی رسی (کتاب) ہاتھ میں رہے گی فرقہ نہیں بن سکتا۔ فرقہ بندی کا اصل سبب ہی قرآن کو چھوڑنا ہے۔ ان تین آیات کریمات (6:160,30:32,3:103) سے ثابت ہوتا ہے کہ فرقہ بندی کرنے والوں کا کوئی تعلق نہ قرآن سے باقی رہتا ہے اور نہ اللہ و رسول سے۔

قرآن کریم ان قطع علائق پر ہی اکتفاء نہیں کرتا بلکہ مزید حکم فرماتا ہے وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (3:105) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے فرقے بنائے اور احکام آجانے کے بعد ایک دوسرے سے اِختلاف کرنے لگے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لئے عذاب عظیم ہے O اس آیت میں ارشاد ہوا کہ فرقہ بندی کے خلاف واضح احکامات آنے کے بعد بھی اگر فرقہ بندی کی گئی تو فرقہ بندی کرنے والوں کے لئے عذاب عظیم ہے۔ قرآن کریم نے عذاب خداوندی کی شکلیں بھی خود ہی بتا دی ہیں (1) دُنیاوی زندگی میں ذلت و خواری (20:134)، (2) بھوک اور خوف کا عذاب (16:112)، (3) گروہ بندی اور پارٹی بازی کا عذاب (6:65)، (4) برکاتِ سماوی و ارضی کے دروازوں کے بند ہونے کا عذاب (7:96)، (5) باہمی اِختلاف کا عذاب (3:104)، (6) اختلاف کا دور ہونا رحمت ہے (11:118)

اس موجودہ دور میں تو عذاب کی ان اشکال کے گنوانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ ہم خود پاکستان میں اس عذاب کو دیکھ رہے ہیں۔ اور سارا مشرق وسطیٰ اس جہنم میں جل رہا ہے۔ دہشت گردی عام ہے، سو سو آدمیوں کو قتل کرنے والے لوگوں کو ان کا فرقہ پناہ دے رہا ہے۔ اور اِن کے قتل کی تائید کر رہا ہے۔ ایک تقریر میں ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے کہا تھا کہ مولوی

صاحبان فرقہ بندی کو کیسے بُرا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فرقہ بندی تو اُن کی ہی ایجاد ہے۔

(7) قرآن کریم عربوں کی روزمرہ کی بول چال کے عین مطابق نازل ہوا ہے فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (51:23) آسمان وزمین کے پروردگار کی شہادت ہے کہ بلاشبہ قرآن حق ہے اور اس کا اندازِ کلام اسی طرح کا ہے جس طرح تم آپس میں گفتگو کرتے ہو اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح روزمرہ کی عام بات چیت، حقیقت، مجاز، تشبیہات واستعارات ہر چیز قرآن کی زبان میں موجود ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اپنی اصطلاحات بھی وضع کی ہیں جن کے معانی کی وضاحت اس نے خود تصریف آیات کے ذریعے کر دی ہیں۔ لیکن ہم مسلمانوں کے ساتھ یہ بدقسمتی ہوئی کہ دین کو مذہب میں تبدیل کر دیا گیا تو قرآن کی ان اصطلاحات کے معانی بھی تبدیل کر دیئے گے۔ کیونکہ ان اصطلاحات کے دینی معانی مذہب میں Fit نہیں آتے تھے۔ اب جبکہ دین اور مذہب کا فرق بھی مسلمانوں کو دکھائی نہیں دیتا تو ان قرآنی معانی سے ہم اس درجہ مانوس ہو گئے ہیں کہ اب مسلمان ان اصطلاحات کے قرآنی معانی سے دور ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی ساری تاریخ میں تحریک طلوع اسلام پہلی تحریک ہے کہ جس نے اس نکتہ کو سمجھا اور ان اِصطلاحات کو قرآنی معنی پہنائے، اصل یہ ہے کہ مسلمانوں نے ایران کو فتح نہیں کیا بلکہ ایران نے اسلام کو فتح کیا ہے۔ اس کے سب شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں۔ ہمارے ایرانی نژاد مفسروں نے، شعوری یا غیر شعوری طور پر ان اِصطلاحات کو غیر قرآنی معانی پہنائے ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں تو اس بات کو ثابت کرنا مشکل تھا لیکن آج کل یہ بات بہت آسان ہے آپ کمپیوٹر پر Google کھولیں اور Majoosi Worship لکھ کر Click کر دیں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ مجوسیوں کی عبادت کا نام بھی نماز تھا اور وہ بھی اپنی نماز پانچ وقت ہی پڑھتے تھے۔ ہمارے ہاں الصلوٰۃ کا ترجمہ نماز، مجوسیوں کے زیر اثر ہوا ہے۔ چونکہ یہ مضمون مختصر ہے اس لئے ہم ایک ہی اصطلاح الصلوٰۃ کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں۔ ہمارے علماء کرام اور روایات کے مطابق نماز معراج میں فرض ہوئی ہے اور یہ معراج کا تحفہ سمجھی جاتی ہے، معراج شریف ہجرت سے چند ماہ پیشتر ہوئی ہے۔ اس معراج سے پیشتر حضور ﷺ تقریباً تیرہ سال مکہ میں گزار چکے تھے اور مکی آیات میں بھی اقامت صلوٰۃ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اگر نماز معراج میں فرض ہوئی تھی تو مکی آیات میں الصلوٰۃ سے کیا مراد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صلوٰۃ کی اقامت کا حکم ہے، پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں صلوٰۃ قائم نہیں کرتے۔

سورۃ حج میں ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ (22:41) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اِنہیں روئے زمین پر قابو دے دیں، تو یہ لوگ نماز ادا کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کاموں کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے۔ آپ نے ترجمہ ملاحظہ فرمایا کہ الصلوٰۃ کی اقامت کے لئے

اقتدار ایک Pre-requisite ہے۔ بغیر اقتدار کے صلوٰۃ قائم نہیں ہوسکتی۔ جلالین مشہور و مستند درسی تفسیر ہے۔ تقریباً تمام طلبہ درس نظام اس تفسیر کو پڑھتے ہیں ۔ اسی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں تحریر ہے اِنۡ مَّکَّنّٰہُ میں جو شرط تھی، اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور اس کے بعد کا جملہ اس شرط کا جواب ہے۔ نیز شرط و جوابِ شرط دونوں صلہ ہیں الدین موصول کے۔ اس سے قبل کی مبتداء محذوف ہے یعنی تفسیر میں یہ تحریر ہے کہ اقتدار شرط ہے اور اقامت صلوٰۃ اس کا جواب الشرط ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اگر شرط ختم ہو جائے تو مشروط خود ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر اقتدار جو شرط ہے وہ موجود نہ ہو تو اقامت صلوٰۃ جو جواب الشرط ہے قائم نہیں کی جاسکتی۔ جلالین کے اس اقتباس سے آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ قرآنی صلوٰۃ نماز نہیں ہوسکتی اور نہ ہماری یہ روز مرہ کی نماز صلوٰۃ ہے۔

ہم نے تحریک طلوع اسلام کا نہایت مختصر تعارف اور اس کی خدمات کا تذکرہ پیش کیا ہے۔ جہاں تک اس کے بلند مقام کا تعلق ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ قرآن کریم نے صحابی کا لفظ استعمال نہیں کیا، کیونکہ صحابی ہونے کے لئے Physical Presence کا ہونا لازمی ہے۔ قرآن کریم اقامت دین، ہجرت، جہاد جیسے امور کی فضیلت کو حضورؐ کے دور تک محدود کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے قرآن نے صحابی کے بجائے مَعہ کا لفظ استعمال کیا ہے جو قیامت تک کے لوگوں پر Apply کیا جاسکتا ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہے وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ وَاَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ (9:100) اور مہاجرین وانصار میں سے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کا ساتھ دیا، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، ان کے واسطے اللہ نے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، تیار رکھے ہیں۔ اور ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ کے سلسلے میں تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ قیامت تک جتنے لوگ سابقین اولین کی راہ پر چلنے والے ہوں گے۔ یعنی ایمان میں، ہجرت میں اور رسول اللہ کے دین کی مدد کرنے میں جو سابقین کے نقشِ قدم پر چلیں گے وہ سب مراد ہیں۔ اقامت دین کے لئے جو تحریک بھی کوشش کرے گی اس کے ارکان ''تابع باحسان'' میں شامل ہوں گے۔ اِس آیت سے تحریک طلوع اسلام کے ارکان کے بلند مقام کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان ارکان کی خدمت اور محنت کو قبول فرمائے اور اس تحریک کو کامیاب فرمائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا وعدہ ہے کہ اللہ کا یہ دین یقیناً یقیناً غالب آکر رہے گا (61:9,58:28,9:32)۔

(بشکریہ ماہنامہ صوت الحق، جنوری 2016)

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

باب المراسلات

ایک پرانے کرم فرما کے ساتھ کچھ ماہ سے میرا خط و کتابت کا سلسلہ چل رہا ہے جس میں بہت سے موضوعات زیرِ بحث آتے رہے ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے قارئین کی معلومات کے لئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

سوال:۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ تحریکِ طلوع اسلام نے گفتار کے غازی تو بے شمار پیدا کئے لیکن کردار کا ایک غازی بھی پیدا نہ کر سکی جو بعد میں آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ہوتا۔ قرآن جو علامہ غلام احمد پرویز ساری عمر پڑھاتے رہے واشگاف الفاظ میں بتاتا ہے کہ اگلے جہاں میں مدارج کا تعین کردار کی بنیاد پر ہوگا۔ کاش تحریکِ طلوع اسلام کے مبینہ وارث اتنی سی بات سمجھ لیتے کہ حصولِ مقصد کے لئے محض کتابیں بیچنا یا درس دینا کافی نہیں۔ مسلمان ہیں تو ہمیں مسلمان بن کر دکھانا ہوگا۔

جواب:۔ طلوع اسلام سے قریبی وابستگی رکھتے ہوئے، آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے کہ طلوع اسلام قرآن کے الحق پیغام کو مروجہ باطل مفہوم سے نکھار کر پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ یہ پہلی منزل الحق کے جاننے کے پیدائشی حق پر ایک مزید اضافی کام ہے اور الحق کا جاننا نوع انسانی کے بنیادی حقوق میں شامل ہوتا ہے۔ اس اضافی منزل کو عبور کئے بغیر الحق کی تبلیغ کی پہلی منزل کی طرف بھی پیش قدمی دیرپا مطلوبہ نتائج لانے کی اہل نہیں ہو سکتی۔

آپ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اس سے آگے قدم کیوں نہیں اُٹھایا جا رہا، لیکن اس ستر سال سے زائد عمل کے مشن کو محض گفتار کا درجہ دینا کسی بھی منطقی درجہ کے معیار میں پرکھتے ہوئے محض جاہلیت ہی میں شمار ہوگا۔

اگر دیکھا جائے تو نوع انسانی تو قرآنی اقدار کو کم از کم علمی طور پر اپناتے ہوئے بہت آگے بڑھتے دکھائی دے رہی ہے، اور عملی طور پر عصرِ حاضر کے تقاضے بھی اُسے الحق کے قریب لانے کا موجب بن رہے ہیں۔ اِسی بات کی ہمیں قرآن سے بھی تائید مِلتی ہے اور اِسے عملی طور پر حقیقت میں تبدیل کرنے میں ادارہ طلوع اسلام نے اپنی ہر ممکن کاوشوں میں کمی نہیں آنے دی۔ اِس کے لئے نامساعد حالات کی صعوبتوں اور دھمکیوں کا بھی مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی شناخت کو بحال رکھا ہوا ہے۔

سوال:۔

Thank you for your cool comments.

First of all please let me solemnly admit that Late Allama Ghulam Ahmed Parwez

gave us lot of awareness. ALLAH blessed him with enormous vision to understand the genuine meanings and spirit of the Quran.

I also agree that action should spring from the soil of awareness but I must add that the awareness that does not transform into action is usually of no avail.

You may agree with me that road to success passes through the world of action. We must understand that preaching point is not a meeting point. A talk that does not end in any kind of action is of no value. After that we have learned so much, let each of us now demonstrate Islam by implementing Islamic Laws in the state of our own Self.

I quote my great teacher saying.

Only that person can present Islam to the world who is, not only in the company of his friends but also in the big crowd of his foes. Able to project his life in proof of his truthfulness and then no one dare to oppose him. This is the only right mechanism for bringing people close to Islam.

He also said:

Please remember that Islam's being superior can only be useful to us when we ourselves attain superiority by acting in accordance with it; leading a life of disgrace and objection, and remaining puffed up on the superiority of Islam is nothing but a stupidity.

جواب:۔ میں تو قرآن خالص کی بلاغت یعنی گفتگو کو ایک مشن کے طور پر عمل کے کردار ہی میں لیتا ہوں، جس کا مقصد ان قرآنی اقدار کے بتدریج نفاذ کی کاوشوں سے ایک اسلامی مملکت کا قیام ہے۔

پیارے بھائی لگتا ہے کہ آپ کو طلوع اسلام کی مروجہ تبلیغ کی پالیسی سے متوقع عملی تبدیلی کے وقوع پذیر دِکھائی نہ دینے کی بِنا پر مایوسی ہو رہی ہے۔ اب تو آپ اُن لوگوں کی نیتوں اور کردار پر بھی سوال اُٹھا رہے ہیں جو ابھی تک اپنے مشن سے مایوس نہیں اور ابھی تک اس فریضہ کو اپنی پوری استطاعت سے نبھائے جا رہے ہیں۔ آپ کو شک نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم سب کی خواہش ہے کہ مُلک میں قرآنی نظام کا نفاذ جلد سے جلد ہو جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری یہ خواہش پوری ہو گی۔

اِس ضمن میں مَیں آپ کی توجہ قرآن ہی کی رسول ﷺ کی طرف ہدایت کو اِس اُمید کے ساتھ دلانے کی جسارت کر رہا ہوں کہ شائد اس سے آپ کی ڈھارس بندھی رہے اور آپ ہماری ڈھارس کو بھی تقویت دینے کی توفیق بھی حاصل کر سکیں۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (40:17)

اور جن باتوں کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، ان میں سے بعض باتیں، یا تو ہم تمہاری زندگی ہی میں وقوع پذیر کر دکھائیں گے، یا ہم تم کو وفات دے دیں گے۔ (تم ان نتائج کو ظہور میں نہیں لا سکتے)۔ تمہارا کام بس یہ ہے کہ تم اس ضابطۂ ہدایت کو لوگوں تک پہنچاتے رہو۔ ان کے اعمال کے حساب سے نتائج کو ظہور میں لانا ہماری ذمّہ داری ہے۔

''قرآن کریم اپنے پروگرام کے ذریعے پہلے قدم سے آخری منزل تک مختلف مدارج میں سے گزارتا ہوا لے جاتا ہے۔ ہر منزل کے متعلق اس میں ہدایات، راہ نمائی اور احکام موجود ہیں۔ تدبر کرنے کا مقام یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ معاشرہ کس حالت میں ہے، اور کہاں سے بات شروع کرنی ہے، کس طرح بتدریج اسلام کی آخری منزل تک پہنچنا ہے۔ اور پھر جس مقام پہ آپ کا معاشرہ ہے، اس سے متعلق قرآن مجید میں کیا احکام و راہ نمائی ہے، جسے آج کے ماحول میں نافذ (Apply) کرنا ہے۔ قرآن کریم کے مکمل اور آخری مرحلے کے احکام، جس میں خصوصی طور پر معاشی نظام میں ربٰو کی ممانعت کا حکم بھی شامل ہے وہ غیر تربیت یافتہ معاشرے میں نافذ نہیں کئے جا سکتے۔ جو لوگ ہمارے آج کے ماحول میں، ہمارے لئے قرآنی احکام پر مبنی معاشرے کا غیر منطقی انداز میں انطباق کرتے ہیں، وہ قرآن کے تدریجی عمل کی تکذیب کرتے ہیں، اور وہ حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔

قانون ارتقاء کے مطابق ہر منزل کے ترتیب وار پروگرام کو بتدریج پورا کرتے ہوئے، ہم اگلی منزل تک پہنچ سکیں گے۔ اس ضمن میں ہم رسول اکرم ﷺ کی پیروی میں تمام مدارج کو طے کر کے ہی، اسلامی مملکت کے حصول میں نظریہء پاکستان کی تکمیل کر سکیں گے۔ یہی اللہ کا اصول ہے، جس میں نہ تبدیلی ممکن ہے اور نہ ہی کوئی استثناء ہے۔''

ویسے ہر انسان کو اپنی رائے رکھنے اور پیش کرنے کا حق ہے، لیکن طلوع اسلام اس مشن کو بہر حال ایک عملی قدم کے طور پر دشواریوں کا مردانہ وار سامنا اور برداشت کرتے ہوئے ہی سرانجام دے رہا ہے۔ اِن کاوشوں کے نتائج برآمد ہوں گے یا نہیں اور اگر برآمد ہوں گے تو کب برآمد ہوں گے تو اس کے لئے قرآن نے رسول کو الحق کا اور وہ بھی زبردستی کئے بغیر، پیغام پہنچانے پر اپنی کاوشوں کو مرکوز کرنے پر ہی زور دیا ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (26:3)

(اے رسول!) یوں نظر آتا ہے کہ تو اپنی جان ہی گھلا دے گا، اس فکر میں، کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

زیرِ غور آیت میں نبی اکرم ﷺ کے قلبِ مشفق و غمگسار کا نقشہ یہ کہہ کر پیش کیا گیا ہے کہ ''(اے رسول!) یوں نظر آتا ہے کہ تو اپنی جان ہی گھلا دے گا، اس فکر میں، کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ قلبِ غمگسار رکھنے والا خدا کا رسول، کیا تلوار کے زور پہ اسلام کو پھیلائے گا؟ جبکہ اس کی حالت تو یہ ہے کہ خدا کو بھی کہنا پڑا کہ:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ (2:272)

تیرا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے، لوگوں کو زبردستی اسلام قبول کروانا تیری ذمہ داری نہیں ہے۔

هُدٰىهُمْ کے معنی ہیں صحیح راستے پر چلانا۔ کہا کہ تیرا فریضہ تو بس بات کو واضح انداز میں پہنچا دینا ہے (24:54)۔

دوسرے مقام پہ ہے''

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (26:4)

اگر ہم چاہتے (کہ زبردستی ایمان قبول کروانا ہے) تو، ہمارے لئے کیا مشکل تھا کہ ہم آسمان سے، ان پر کوئی ایسا واضح نشان نازل کر دیتے، جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ (لیکن زبردستی، اور عقل کو ماؤف کر کے، منوانے کی بجائے، علی وجہ البصیرت ہمارے قوانین کو تسلیم کرنا ہی ایمان ہے)۔

آپ نے بوہروں اور احمدیوں کی مثالیں دے کر بات سمجھانے کی جو کاوش کی ہے تو عرض ہے کہ قرآن کے طالب علموں کے لئے وہ اسوہ حسنہ کا درجہ نہیں رکھتیں۔

سوال:۔ میرا چھوٹا سا ذہن آپ کی بڑی بڑی باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ مجھے تو خوف ہے اللہ کے اس حکم کا کہ وہ بات مت کہو جو تم خود نہیں کرتے اور یہ کہ اگلے جہان میں تمہارے مدارج کا تعین تمہارے کردار کی بنیاد پر ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب اللہ نے مجھے ایک خوبصورت ریاست (جسم و جاں) سے نوازا ہے جس میں میری رعایا (اجزائے جسمانی) میرے سامنے تابِ سخن نہیں رکھتی۔ اللہ کے واضح احکام میرے سامنے ہیں۔ پھر کیا جواز ہے کہ میں احکامِ خداوندی کو اپنی اس مملکت میں نافذ کرنے سے گریزاں ہوں۔ کس سازگار ماحول کی تلاش ہے مجھے؟

یہ کہ دوسرے ایسا کریں گے تو میں بھی سوچوں گا۔ میرے نزدیک یہی ایک روش ہے جو ہمارے جمود کا باعث بن رہی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ کسی معاشرے کا ایک فرد سدھر جائے تو پورا معاشرہ سدھر جائیگا اور وہ فرد کوئی دوسرا نہیں خود میں ہوں۔ ڈاکٹر صاحب معاشرتی قدروں میں وہ کونسی بات ہے جو علامہ پرویز (مرحوم) سے ملاقات سے پہلے ہم نہیں جانتے تھے۔ بات ہے ان قدروں کو اپنانے کی۔ یہ خواب سہانے ضرور ہیں مگر صرف اور صرف ان کے لئے جو راہِ عمل اختیار کرتے ہیں۔

جواب:۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم مناظرہ کرنے سے دور ہی رہتے ہیں۔ طلوع اسلام کے مشن کی پہلی منزل الحق کی تبلیغ سے وابستگی اور اُس کے حصول تک دوسری منزل میں نہ کودنے کا موقف جو میں نے محترم پرویز صاحب سے تفصیلی دلائل کی رو سے سمجھا ہے، وہ میں نے بیان کر دیا ہے۔ اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کا جواز نہیں نکلتا کہ ہم انفرادی طور پر

قرآن کی ہدایات سے مُنہ موڑ لیں۔ البتہ مثالی قرآنی معاشرہ کی تشکیل سے پہلے ادوار میں حکومتی قوانین کی پابندی میں رہتے ہوئے مثالی اور قطعی اجتماعی اقدار پر بتدریج نفاذ ممکن ہے اور اسے ہی ہم اللہ کے احکام پر عملدرآمد کرنے کو اپنے وقت پر ادا کرنے کو پاتے ہیں۔

آپ جیسے آہن شکن ارادے کے حامل اصحاب جو اضافی مشقتیں اُٹھانے کی ہمت اور طاقت رکھتے ہیں، وہ افراد اگر اس بتدریج طریق کو نظرانداز کرنا چاہیں تو یہ ایک شائد بلا نتیجہ لیکن انفرادی طور پر مُستحسن عمل ہوگا۔ اس ضمن میں جو افراد جماعت کی تشکیل اور اجتماعی قوت کے زور سے نتائج کے حصول کے لئے قرآن میں دیے گئے بتدریج طریق سے آخر کار ایک مستقل اور دیرپا حل پر راضی ہوتے ہیں تو وہ بھی اللہ کی رضا ہی میں جماعت کی تیاری کے عملی کردار میں مصروف رہتے ہیں۔

آپ کے لہجے سے کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ طلوع اسلام کے کُچھ افراد سے آپ کو شکایت ہے اور شائد اُن کو آپ سے بھی شکایت ہوگی۔ یہ امر تو نیچرل ہے اور اس سے ادارہ کے نظریہ سے وابستگی سے قائم رہنے میں فرق نہیں پڑتا۔

یہاں مَیں آپ کو ایک ریسرچ پیپر سے اقتباس پیش کر رہا ہوں، جس سے ہمیں اپنے مُلک میں قرآنی اقدار سے وابستگی میں کمی ہونے کی وجہ سے ابھی پہلی منزل کو ہی عبور کرنے میں دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ ہم کتاب میں دیکھتے ہیں کہ قرآن میں مومنین، مُتقین اور عقل سے کام لے کے غور و تدبر کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔ ایسے لوگوں کی نہ ہونے کے برابر کمی کی بِنا پر مُلک کی حالت یہ ہے کہ درجِ ذیل ریسرچ پیپر کی رو سے پاکستان قرآنی اقدار سے قُربت حاصل کرنے کی لسٹ میں دُنیا کے دیگر ممالک کے بالمقابل 137 ویں نمبر میں آتا ہے۔

The country in the world most faithful to the values of the Quran is Ireland according academic at George Washington University in the US. Next are Denmark, to an Sweden and the UK.

In a BBC interview, Hossein Askari, Professor of International Business and International Affairs at George Washington University said a study by himself and colleague Dr Scheherazde S Rehman, also rates Israel (27) as being more compliant with the ideals of the Quran than any predominantly Muslim country. Not a single majority Muslim country made the top 25 and no Arab country is in the top 50. He said that when their 'Islamicity index' was applied only Malaysia (33) and Kuwait (42) featured in its top 50 countries, compared to the US at 15, as is the Netherlands, while France is at 17.Saudi Arabia rate 91st , with Qatar at 111st. In doing the study they applied the ideals of Islam in the areas of a society's

economic achievements, governance, human and political rights, and international relations, he said. On that index "Muslim countries do very badly," he said and accused them of using religion as an instrument of power.

Last Novembe Prof Askari said that "we must emphasize that many countries that profess Islam and are called Islamic are unjust, corrupt, and underdeveloped and are in fact not 'Islamic' by any stretch of the imagination."

دُکھ تو ہوتا ہے لیکن حقیقت کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ ریسرچ پیپرز زمینی حقائق کی بھی ترجمانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ دین اسلام کی بدقسمتی ہے کہ اِسلام کو مُسلمان ممالک کی کارکردگی کے تناظر سے پرکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرد اِس کی تعلیم سے مطمئن نظر آنا دِکھائی بھی دیتا ہے تو وہ مسلمان ممالک کی حالت دیکھ کر خود اسلام ہی سے مُتنفر ہو جاتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ الحق کو اصل حالت میں لا کر اور پھر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی مشق طویل بھی ہے اور تسلسل کے ساتھ عمل کرنے کی مُتقاضی بھی۔ ادارہ کی سوچی سمجھی مُتفقہ رائے ہے کہ یہی سمت صحیح ہے اور اس سمت کو عبور کئے بغیر اگلی منزل کو اپنانے کا خیال لانا شائد ہی مُفید ہو۔

سوال:۔

ہمارے ہاں زبانِ زدِ عام ہے۔ ''نہ اسکا کوئی دین ہے نہ مذہب'' دین بلا شبہ ہماری منزل ہے۔ مذہب (راستہ۔ پگڈنڈی۔ صراط) ذریعہ ہے منزل تک پہنچنے کا۔ دونوں لازم وملزوم ہی یا یوں سمجھئے کہ قرآن مجموعہ ہے قوانینِ خداوندی کا۔ یہی دین ہے۔ قانون اسوقت تک کارآمد نہیں جب تک روبعمل نہ ہو۔ روبعمل ہونے کے لئے قانون طریقِ کار (رولز) کا محتاج ہے۔ قانون ہمیشہ اٹل ہوتا ہے۔ نفاذ کے طریقے (رولز) حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

نبیِ اکرمؐ نے اپنے دور میں باہمی مشاورت سے قوانینِ خداوندی کے نفاذ کی صورت پیدا کی جو ہماری تاریخ میں محفوظ ہے۔ ہم سے غلطی غالباً یہ ہوئی کہ وفورِ عقیدت میں ہم نے قوانین (قرآن) کے ساتھ طریقِ نفاذ صراط۔ مذہب کو بھی غیر متبدل قرار دے لیا جس سے نہ ہم دین کی پٹڑی پر گامزن ہو سکے نہ مذہب سے کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ اب ہم راہِ عمل (مذہب) کی طرف آتے ہیں تو قانون (دین) بھول جاتے ہیں۔ دین کی طرف آتے ہیں تو ہمیں نفاذِ دین کا ڈھنگ نہیں آتا۔ دین کے پرستار لذتِ عمل سے ناآشنا ہیں اور مذہب کے پجاری منزلِ مقصود سے بے بہرہ۔

جواب:۔

جہاں تک مَیں سمجھا ہوں آپ نے ہمارے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا ہے کہ قرآن نے تو ہمیں قانون کے اصول دئے ہیں، جبکہ عملی دنیا میں کام چلانے کے لئے ان اصولوں کی جُزیات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کو شکایت ہے کہ قرآن کی

جزیات مرتب کرتے وقت مذہبی طبقہ فرقہ ورانہ فساد اور استحصال کا مؤجب بن رہا ہے اور اُن کو حل نظر نہیں آ رہا۔ میرے خیال میں اس مشکل کا حل یہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کو مملکت کے آئین کا درجہ دے دیا جائے اور مملکت کے نمائندے آئین کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عصری تقاضوں کے مطابق عملی کام چلانے کے لئے باہمی مشاورت سے جُزیات لیجسلیٹ (Legislate) کرتے جائیں۔ اِن کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں سبھی افراد یکساں طور پر سزا کے مستحق قرار دئے جائیں۔ پاکستان اور دوسرے ممالک میں اِسی اصول کی پابندی ہو رہی ہے ماسوائے اس کے کہ قرآن کو آئین کا درجہ نہیں دیا جا رہا۔

Question: We in Pakistan got per chance a constitution to help us establish Divine Laws, which we ruined for ourselves by inserting in it an amendment which gave legal protection to sectarianism, now out of control. We will do well perhaps to remove this amendment to undo the said legal protection.

جواب:۔ آپ کی نشاندہی نے بُرائیوں کی اصل بیماری کی تشخیص کر دی ہے کہ زکوٰۃ کی کٹوتی کے ضِمن میں حکومت نے آئین میں ترمیم کر کے دو علیحدہ علیحدہ سُنی اور شیعہ فرقوں میں قوم کی تقسیم کر کے ایک اسلامی مُلک میں شِرک کو قانونی حیثیت سے تسلیم کر کے مزید فرقوں کے لئے راہ ہموار کر دی ہے۔ بدقسمتی یہ بھی ہے کہ قوم بے خبر سوئی ہوئی ہے۔

سوال:۔

Riba in Arabic literally means increase, gain or profit.

No where in Quran Riba is prohibited.

Quran however prohibits Al-Riba (2:275). This is a proper noun pointing out to a particular form of Riba.

To know the pertinence/context of the term Al-Riba. We may examine a couple of verses adjoining the verse prohibiting Al-Riba. Reading verse 2:272 to 2:280 we find that the issue discussed in these verses is, helping the poor deserving charity.

Explaining how to help a poor, Allah says "help them by way of charity and if you cannot help them by charity, then give them loan and charge no usury. Such people may not be able to pay back the loan in time. If so, give them more time or remit the loan as charity. Now this is the discourse that surrounds the word Al-Riba. The debtor being discussed here is the poor deserving charity. Study of these verse (2:272-280) tells us of the circumstances under which making money is prohibited? Amazingly, every where in Qur'an, Al-Riba is contrasted with Charity. This obviously

means that A-Riba is haram where charity is called for.

Amazingly again, The Qur'an nowhere condemns the giver of usury. This is perhaps the givers of usury are the poor exploited to accept loans with usury. All these facts put together are sufficient to prove that Qur'an prohibits charging of interest from the poor deserving charity.

An increase, gain or profit on commercial loans aimed at inflating resources does not fall in the purview of Al-Riba prohibited in Qur'an...

جواب:۔ چودھری صاحب۔آپ نے اِن آیات 2:272۔280 کے حوالہ جات سے الرّبوا کو صدقات سے جوڑ کر امیروں سے کمرشل قرضوں سے سود وصول کرنے کے جواز میں کہا ہے کہ

Qur'an prohibits charging, of interest from the poor deserving charity.

An increase, gain or profit on commercial loans aimed at inflating resources.

does not fall in the purview of Al-Riba prohibited in Qur'an.

مَیں جب اِن قرآنی آیات کا مطالعہ کرتا ہوں تو الربوٰا سے توبہ کرنے کی صورت میں صِرف اصل زر کو بغیر کسی زیادتی کے واپس لینے کی ہدایت پاتا ہوں۔قرآنی نظام میں تو امیر اور غریب کی تقسیم ہی نہیں کی جاتی بلکہ اُس میں تو ایک classless Society پائی جاتی ہے۔کیا آپ کو نہیں لگتا کہ بِلا جواز قرآن کے حوالہ سے امیر اور غریب کی طبقاتی تقسیم کرنا اور امیر سے قرضوں پر ''منافع'' لینے کو جائز اور سود سے مُنّزا قرار دینا تحریفِ قرآن کے زمرے میں شمار ہوگا؟

آپ قرآنی اصولوں کے مُبلغ ہونے کے دعویدار ہوتے ہوئے مکتبِ مُلا کی ڈگر پر چلتے ہوئے انفرادی طور پر خیرات اور بھیک مانگنے کی اپیل کرنا بند کر دیں۔ یہ تو بڑی عامیانہ اور سبھی حلقوں کی طرف سے دُہرائی جانے والی باتیں ہیں۔قرآنی معاشرہ میں قرآن انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر اللہ کے نام سے حکومت کرنے والوں کو جمع کے صیغہ میں مُخاطب کر کے ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ پوری نوعِ انسانی کے رزق کو اُن کی دہلیز پر بطورِ احسان یعنی فیور اور مدد کے نہیں بلکہ اُن کے حق کی ادائیگی سمجھتے ہوئے پہنچائیں۔ہمیں یہاں اپنے مقامِ گراوٹ کا احساس ہے کہ ایسی مُنفرد یکساں تکریمِ انسانیت کی اقدار ہماری مذہبی سوچ میں نہیں سما رہی ہیں۔مُلا کی روزی ہی خیرات کی وصولی کی مرہونِ مِنت ہوتی ہے، لہٰذا اُن کی مناظرانہ حمایت تو سمجھ میں آسکتی ہے۔قرآنی سوچ کے حامل مُجاہد سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اِس عبوری دور کے انفرادی امداد کے غیر قرآنی معاشرہ کے لئے رائج ایک عارضی طریق کو قرآن کے ایک مستقل اور غیر مُتبدل اصول کے طور پر باوجود توجہ دِلانے کے اصرار کرتا رہے۔

عطاء الحق قاسمی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال میں لکھا ایک کالم!

جن دنوں میں کالج میں لیکچرار تھا، ایف اے اردو لازمی کے نصاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ پر ملا واحدی کا ایک مضمون شامل تھا، وہ بعد میں نکال دیا گیا کہ اس مضمون میں بیان کئے گئے حضور اکرمؐ کے اعمال سے یہ ''خدشہ'' پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں معاشرہ بھی ان نیک راہوں پر نہ چل نکلے اور یوں ان کوششوں کو دھچکا نہ لگے جو دین کی روح سے خالی مفروضات پھیلانے کے لیے کی جاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے جب لیکچر کے دوران یہ مضمون میرے سامنے آتا تو میں کئی کئی دن صرف اسی مضمون کی تشریحات میں لگا دیتا تھا اور میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ اس کے آگے بھی کچھ پڑھاؤں۔ ملا واحدی کے اس مضمون سے پتہ چلتا تھا کہ نبی رحمتؐ کس قدر مہذب انسان تھے، بچوں اور بڑوں سے ان کی شفقت کا کیا عالم تھا، محفل کے ادب و آداب کیا ہوتے ہیں، میزبان اور مہمان کا کیا رویہ ہونا چاہئے، بڑوں اور چھوٹوں کے کیا حقوق اور کیا فرائض ہیں مگر نصاب کے مرتبین کو شاید یہ باتیں پسند نہیں تھیں، چنانچہ اب نصاب اور نصاب کے باہر بیشتر ایسا مواد پھیلا دیا گیا ہے جس سے ہمارے روزمرہ اعمال و افعال میں بہتری کی کوئی صورت پیدا ہونے کی کوئی امید نہیں رہی۔

نتیجہ یہ کہ اب ہم دن بدن متشدد ہوتے جا رہے ہیں اور تو اور ہم جس فقہ کے مقلد ہیں اور اس حوالے سے ہم جنہیں اپنا امام مانتے ہیں ان کی تعلیمات اور ان کی فقہ میں سے ان کی بھی کسی ایسی رائے کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو دہشت گردی، تشدد اور تنگ نظری کے خلاف جاتی ہو۔ پاکستان میں امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار بہت بڑی اکثریت کے حامل ہیں، چنانچہ وہ حنفی کہلاتے ہیں، مگر ہمارے حنفی کہلانے والے علماء نے اپنے امام کی اس رائے کو رد کر دیا جو توہین رسالت کے حوالے سے ہے اور دہشت گردی کے کسی واقعہ کی توجیہہ کسی اور امام میں تلاش کرنے لگ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نبی رحمتؐ تھے اور وہ اپنے امتیوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے میں لگے رہتے تھے مگر ہم مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ مجھے جب کبھی وہ واقعہ یاد آتا ہے جو میں ابھی بیان کرنے لگا ہوں تو میری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ ایک صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا ''روزے کے دوران مجھ سے ایک ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، میں اس کا کفارہ کیسے ادا کروں؟'' حضور اکرمؐ نے فرمایا ''تم تیس روزے اور رکھو'' صحابیؓ نے کہا ''اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے تو ایک روزہ نہیں

سنبھالا گیا، مزید تیس روزے کیسے سنبھالوں گا؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا'' تو چلو پھر تم تیس مسکینوں کو کھانا کھلا دو'' صحابیؓ بولے'' یارسول اللہ میں غریب آدمی ہوں، تیس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا، اس دوران ایک صحابی حضورؐ کے لیے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیہ کرنے کے لیے لائے، حضورؐ نے وہ کھجوریں سائل کو عطا کیں اور کہا'' تم یہ کھجوریں مستحق لوگوں میں تقسیم کردو'' یہ سن کر وہ صحابی بولے'' یارسول اللہ سب سے زیادہ ضرورت مند تو میرے اہل خانہ ہیں'' حضورؐ مسکرائے اور فرمایا جاؤ، یہ کھجوریں ان میں تقسیم کردو، تمہارا کفارہ ادا ہو جائے گا۔''

کیا حضور نبی اکرمؐ کی تعلیمات عام کرنے کے دعوے دار مبلغین نے حضورؐ کے امتیوں کے لیے کبھی کوئی آسانیاں پیدا کیں یا ان کے لیے صرف تعزیرات کی تلاش ہی میں سرگرداں رہے؟ آسانیاں انہوں نے صرف معاشرے کے مجرموں کے لیے تلاش کیں، پنج وقت نماز پڑھ لو، حج کرلو، اس کے بعد دہشت گردوں، راشی افسروں، انصاف کے قاتلوں، منشیات فروشوں، ملاوٹ کرنے والوں، ذخیرہ اندوزوں، منشیات فروشوں، اسمگلروں سب کے لیے معافی ہی معافی ہے، جنت کی حوریں بناؤ سنگھار کر کے ان کے انتظار میں بیٹھی ہیں اور بقول ان مبلغین کے حضورؐ اپنے نیک اور بدامتیوں میں سے آخری امتی کو بھی جنت میں داخل کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ یہ مسخ کی گئی تعلیمات ان دنوں آپ کو انٹرنیٹ پر ویڈیوز کی صورت میں بھی دستیاب ہیں جن میں جنت کے پروانے تقسیم کیے جا رہے ہوتے ہیں، جن میں فروعی اختلافات کو بنیادی قرار دیا جاتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ان میں فحاشی بھی اپنے زوروں پر ہوتی ہے۔ ایک مولوی صاحب کا جنت کی حوروں کا شغل کرنے والے بیان کا اگر عشر عشیر بھی بیچارا منٹو لکھ دیتا تو اسے بال بچوں سمیت کولھو میں پسوانے کا مطالبہ کیا جاتا۔

(بشکریہ، روزنامہ جنگ، لاہور، 17 دسمبر 2015ء)

اہم التماس

جن محترم قارئین طلوعِ اسلام کا سالانہ چندہ دسمبر 2015ء میں ختم ہو چکا ہے ان سے التماس ہے کہ وہ نئے نرخ نامہ کے مطابق، جو کہ اس شمارہ میں شامل ہے، ادارہ کے بینک اکاؤنٹ میں بذریعہ آن لائن یا بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر منتقل کر دیں۔ چیک کی صورت میں اگر بینک لاہور سے باہر کا ہے تو سالانہ زرشرکت میں 200 روپے کا اضافہ فرمالیں جو کہ بینک سروس چارجز کے طور پر وصول کرتا ہے۔ ادارہ کے بینک اکاؤنٹ سے متعلق تفصیلی معلومات اندر کے سرورق پر درج ہیں۔ آپ کے اس تعاون سے ادارہ کا یہ واحد آرگن جاری وساری ہے۔ شکریہ

چیئرمین ادارہ

یکے از مطبوعات باغبان ایسوسی ایشن

باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے۔

باغبانوں کے غیر رسمی اجتماعات ہر مہینے کی 15-30 تاریخ کو ہوتے ہیں جن میں وہ تجربات ومشاہدات پر مشاورت کرتے ہیں۔

آیئے چند غیر قرآنی تجزیات پر فکر وتدبّر کریں۔

غیر قرآنی فرقوں کی باہمی سر پھٹول فساد انگیزی اور قتل وغارت گری۔

محترم حسن نثار صاحب جنگ مورخہ 10 جون 2015ء میں لکھتے ہیں۔

''ہم دھوم دھام سے باجوں اور گاجوں کے ساتھ منزل کی مخالف سمت رواں دواں ہیں۔''

علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترسم کہ تومی رانی زورق بسراب اندر
زادی بہ حجاب اندر، میری بہ حجاب اندر
چوسرمۂ رازی را ازدیدہ فروشستم
تقدیر اُمم دیدم پنہاں بکتاب اندر

(جاوید نامہ)

''کائنات میں کرۂ ارضی کی خوشنما سٹیج پر آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ میں آخری کتاب قرآن لیے ایک معاشرہ، ایک مملکت، ملت اسلامیہ کی تشکیل کے بعد تشریف لے گئے۔ وہ بیک وقت سپہ سالار، چیف جسٹس اور سربراہ مملکت بھی تھے اور اُن کی اُمّت 18 لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی آیئے تجدید ملت اسلامیہ پر فکر وتدبر کریں''

(شعبۂ نشر واشاعت، باغبان ایسوسی ایشن)

Surah *Al-Infitaar* (الانفطار) – *Durus-al-Qur'an Parah 30*: Chapter 15

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends, we have completed Surah *Al-Takwir* (التکویر) today, August 24, 1984. And we are going to continue with Surah *Al-Infitaar* (الانفطار).

Two different concepts of the Universe

Let us take the first few verses of this Surah: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِىْۤ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ (82:1-9). The literal translation is: When the sky is cleft asunder, and when the stars are scattered, and when the seas burst beyond their bounds, and when the graves are overturned – every human being will [at last] comprehend, what he has sent ahead and what he has held back [in this world]. O Man! What is it that lures thee away from thy bountiful Sustainer, who has created thee, and formed thee in accordance with what thou art meant to be, and shaped thy nature in just proportions, having put thee together in whatever form He willed [thee to have]? Nay, [O men,] but you [are lured away from God whenever you are tempted to] give the lie to [God's] Judgment![Asad].

But first please note the rhythm in simply reciting these verses, my dear friends. These verses have the same rhythmic style as the verses in the previous chapters. If you remember I had repeated time and again that some signs are mentioned of an impending revolution in the last two parts of the Quran. These signs could be related to the destruction of celestial objects such as earth, sun, moon, and stars in the external Universe because the Quran says that they are only going to exists for a certain period: لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ (39:5) – for an appointed term. Thus the physical Universe will end one day. It is not eternal. One day the Universe will self-destruct itself including planets, stars, and galaxies and everything in it. Or, these signs could signify the Day of Judgment. However, we keep talking about the current inhuman situation in the world: that there is a large scale poverty and suffering; that there is coercion, exploitation, oppression, and tyranny everywhere in one form or another; that there is injustice at all levels, be it political, economic, social, etc.; that no one is getting one's due share; that no one is receiving the appropriate result of one's effort; that real criminals are roaming free while those standing for true justice are harassed, arrested, or punished. And so on and so forth. So, the way these signs have been described in the Quran in its last two parts therefore may signify some oncoming revolution – that some events will occur in human society after which a new world order will take shape, an order based on the Quran. The foundation of that order will

be based on the principle of universal justice where every human action will produce its corresponding result.

The main feature of Quran-based justice system

The fundamental principle of the Quran-based justice system is that everyone will see the result of one's actions in front of oneself; that everyone will receive the result of one's due effort; that there will be no place of coercion or exploitation or subjugation of any kind in this system. As we saw towards the end of the previous Surah the Quran presented natural phenomena as evidence for its claims. If we take the above literal translation – that sky will be cleft asunder, and the stars will be scattered etc… then humans will see the result of their actions in front of them – then, yes, this will of course happen on the Day of Judgment in the Hereafter and humans *will* see the result of their actions in front of them. We believe in that. But this is not just limited to the Hereafter only. It will also happen *here*, in *this* world, if a society is established on the basis of the Quran's justice system. Everyone's action *will* produce its corresponding result; that there will be no coercion or exploitation or subjugation of any kind in this system. I give emphasis to this meaning because the signs that have been given in the Quran in its last two parts seem to indicate that *this* Quranic system will slowly get established on a global universal just basis that was established in first period of Islam. So, I will give preference to this meaning, metaphorically speaking. Others can take the literal meaning about the events mentioned here. I do not have any problem with that. But I would like to mention that Arabs did use these words described in these verses in metaphorical sense. Metaphors and similes are standard part of any language but in Arabic their depth and breadth reach extraordinary levels.

Metaphorical meaning of words provide the ability to describe great realities

My dear friends, great realities can only be described in metaphors and similes. For example, if we say he is a lion then this is a powerful metaphor to refer to someone who is extraordinarily brave. Or, when we say it is raining cats and dogs then we know that taking the literal meaning would be meaningless. The Quran also uses powerful metaphors and similes of the Arabic language. Abstract truths can only be expressed using metaphors and similes as effective tools for عبرت (*Ibrat*) or learning life's lessons. The literal meaning of عبرت (*Ibrat*) is "bridge" so that one can go to the actual destination that is on the other side of the bridge. This is what metaphors or similes do: they allow us to learn life's lessons by providing a bridge between the abstract truths and the practical realities of life. Taking the literal meaning in those situations does not help us in that regard.

My dear friends, please keep the metaphorical meanings of the words appearing in

above verses (82:1-9) in your mind. And only then you will truly appreciate what is being said in these verses when we take the metaphorical meaning rather than the literal meaning given above. Here is how I would present the meaning of these verses:

The slow ongoing human revolution will pick up pace and the overstretched powerful forces spread all over the globe will be cleft asunder; and the smaller satellite states and small groups will be scattered all over and only big powers will remain; and the oceans (or rivers) will be overflowing with goods transportation; and the Earth's resources and treasures will be extracted at frantic pace. At that time a new social order will take shape and get established in the human world when everyone will see the results of their past and present deeds unveiled before them. O humankind! Why are you revolting against the divine laws in this manner? What is keeping you under deception regarding Allah's honorable and complete system of universal of sustenance and inciting you to oppose it? You are opposing the Almighty Allah who, according to His law of creation, passed you through different evolutionary stages one after the other, and fashioned you by removing unnecessary elements; thereby creating in you optimal balance, proportion, and symmetry. Thereafter, He gave you a suitable form according to His law of divine plan. So, just ponder then how can you dare to deny His law of requital. But does your denial have any effect on the efficacy of this law? Of course, it doesn't. But then why do humans continue to deny it?

***Deen* also means results of actions**

Well, the reason they continue to deny the law of requital is because they continue to get away with their crimes against humanity. They are not held accountable for their tyranny, corruption, exploitation, and oppression. The Quran claims that even though these people are able to get away with their crimes because of the corrupt system they have created; but they cannot get away from Allah's law of requital. The foundation of the *Deen* rests on the fact that all human actions produce their consequent results and that everyone *will* be held accountable for one's actions. In fact, one of the meanings of the word دین "*Deen*" is precisely this aspect. The Quran says that the basic reason why they engage in crooked arguments and opposition against it is because: كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ (82:9) – they belie the law of requital; they do not want to face up to it. This is the main reason of their opposition. They think that they can get away with their crimes by hiding it from others; or even if they are investigated for crime they manage to escape it. And no matter how good the laws the elites are always able to escape it. Because of all these tactics they feel protected.

They think how can we be held accountable for our crimes since no one can see our crime and no one can dare to catch us? But don't they know that Allah has put ever watchful guards on them who know and record all their activity: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (82:10-12) – And yet, verily, there are ever-watchful forces over you, noble, recording, aware of whatever you do!

The Quran's style is that it explains things by examples; by similes; and by metaphors. I will explain shortly that for the law of requital to be effective it is not necessary that there be an observer and there be a recorder. These requirements are necessary in our system.

Meaning of كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ (*Kiraaman Kaatibeen*)

My dear friends, the Quran's system is something extraordinary but it explains it in a way that humans can easily relate to it. First, it tells that there are guards attached to us watching us continuously and recording our every activity including our thoughts. They are called كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ (*Kiraaman Kaatibeen*) by the Quran. كِرَامًا (*Kiraaman*) means highly honorable and completely trustworthy. However, we are familiar with what happens in our society. When some report is published then arguments start that the report is misquoted; that it has been manipulated, and so on and so forth. Also, we are familiar with what happens in our courts everyday related to question of accuracy and trustworthiness of recorded statements. As poet Ghalib said in his unique humorous style:

Unjustly we get arrested on the basis of records taken by angels;
Was our witness there, watching what was recorded by angels?

In today's legal system it is common to have one's own person deputed to watching the records because fabrications and false charges are commonplace these days. But the Quran's system of justice does not depend on this. Its recorders are كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ (*Kiraaman Kaatibeen*) – most honorable and100% trustworthy and reliable. They know what you do: يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (82:12). But how do they know this? As we have mentioned many times, the Quran can only be understood by concordance. The Quran explains abstract truths by using perceptible means. One should not take them literally. For example, one should not take that these recordings are being done physically. This is not the way to understand this verse.

Research of modern psychology

My dear friends, the Quran mentioned 1400 years ago which modern psychology is slowly catching on only now, that human beings have something else besides their physical body which is called "personality" or "self". This is something that cannot be seen or felt but human's every action, his every thought, his every intention, or

even his desire emanating from his heart leaves its imprint on his *self*. Whatever the type of action or thought, or intention or desire, the same type will be its imprint on the *self*. And it is these imprints embedded on his self that contain the total record of his deeds. The body will die but the self will move on carrying all those imprints along with it. These recorded imprints remain hidden here in this world, but, they will come out in front of everyone after death. That is how the protected record of one's all deeds and thoughts done here will reveal themselves there; and, then, one has to face their consequences. It is actually the self (not the body) that suffers the consequences.

Now, the discussion about self makes it clear that modern psychology has reached the conclusion that human personality or psyche carries with it the imprints of all the deeds and thoughts of worldly life; that it does not die with death. Thus far the psychologists have reached. This is the same thing that the Quran said that Allah has appointed watch-guards – called كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (*Kiraaman Kaatibeen*) – over you who record everything in a register that you think and do. The Quran presents this in the same style as is normally done in a court of law – a sitting judge (Allah); criminals being brought to the court by security guards one after the other, and witnesses being called. This is the picture of what happens every day in a court of law. However, all this is presented by the Quran for the purpose of explanation only. The Quran's depiction of كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (*Kiraaman Kaatibeen*—honorable writers) is only metaphorical, not literal as we mentioned before. In other place the Quran says: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (17:13) – Every man's fate We have fastened on his own neck: On the Day of Judgment We shall bring out for him a scroll, which he will see spread open [Yusuf Ali]. These days it is not done this way but in the old times important documents used to be kept in scrolls. It is mentioned that today it is rolled up but on the Day of Judgment it will be unrolled and spread wide open. It is not that someone else had written it. It was written by you but it was hidden and rolled up. And now it has been spread open. So, read what you yourself had written. What to say my friends, of this scenario presented by the Quran. Just amazing!

The self itself will do everything

My dear friends, at that time it will be said: [and he will be told:] "Read this thy record! Sufficient is thine own self today to make out thine account!" [Asad]. You have written it and you read it yourself so that there is no chance of mistake either in writing or reading by someone else. What about accountability? اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (17:14) – [and he will be told:] "Read this thy record,! Sufficient is thine own self today to make out thine account!" The word نَفْس (*Nafs* or Self) has come here in the above verse. This is the same thing that is called "Personality" or "Psyche" in the

language of Psychology. Modern Psychology is using the same language now what the Quran used 1400 years ago to describe the attributes of human self – that it does not die with the body; that the results of all human actions, even of his intentions and desires leave their imprints on his self. These imprints remain hidden during life. After the death of the physical body, the "self" moves forward to the next world carrying along with it a scroll of those imprints; and this scroll is unrolled and spread out and one reads one's own scroll and one does one's own account and one pronounces one's own judgment. This, in reality, is a detailed process of the Law of Requital. It is only for our understanding that the Quran has mentioned that Allah has appointed security guards – called كِرَامًا كَاتِبِينَ (*Kiraaman Kaatibeen*) – over you who record everything that you think and do in a register. This is not be taken literally.

My dear friends, the Quran has mentioned two groups here. We also normally categorize human beings into two groups: good and evil or virtuous and wicked; or those of heaven and those of hell. After the accountability is done as noted above, the Quran then says: إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ (82:13-14) – Behold, [in the life to come] the truly virtuous: will indeed be in bliss, whereas, behold, the wicked will indeed be in a blazing fire. نَعِيمٍ (*Na'yeem*) means all kinds of comforts and favorable things of life. نَعم (Na'am) is a delicate soft plant found in the deserts of Arabia. And ابْرَار (Abrar) means those who are magnanimous and broadminded. As opposed to this there are those of the other group: فُجَّار (*Fujjar*) and جَحِيمٍ (*Jaheem*).

Every word of the Quran has its own distinctive meaning

My dear friends, as I have mentioned many times before we have only two words "virtuous" and "wicked" describing two broad human categories. But the Quran uses many words each having its own distinctive meaning. For example, we translate all these words of the Quran – مومنین (*Momineen*), مصلحین (*Musliheen*), محسنین (*Muhsineen*), etc… – as نیک (*Nayk* or virtuous). In contrast to these are words: کافرین (*Kafireen*), ظالمین (*Zaalimeen*), فاسقین (*Fasiqeen*). Here the word فُجَّار (*Fujjar*) has come which is plural of فاجر (*Faajir*). These are different words but all are translated as گنہگار (Sinner) as if the Quran has used these different words merely for rhythm for the sake of poetry where words are brought more for rhythm than for meaning. There are synonyms in many languages but in Arabic this is not the case. Although many verses of the Quran are highly rhythmic – as for example verses of Surah Al-Rahman in which this rhythm has reached its pinnacle making one rapturous while reciting its verses – but note that no two words of the Quran have the same meaning. Every word of the Quran is as solid as a rock in its own place. No other word can take its place. Every word of the Quran has its own unique meaning. One cannot use the words نیک

(*Nayk* or Virtuous) or گنہگار (*Gunahgaar* or Sinner) generically as illustrated above. In fact, نیک (*Nayk*) or گنہگار (*Gunahgaar*) are Persian words and have their own historiography and concepts corrupting the original Arabic meanings and concepts. Please always keep this in mind when you read translations.

Now, let us come back to the verses (82:13-14). The Quran usually explains its meaning by juxtaposing opposite words, i.e., light and darkness. This is a highly effective style in literature. As poet Ghalib says: *Subtlety cannot produce shine without acrimony*. This way by bringing opposites in juxtaposition makes things clear and the meaning just springs out. Here in opposition to اَبۡرَار (Abrar) the Quran brings the word فُجَّار (*Fujjar*). Again, our translation of نیک (*Nayk* or Virtuous) or گنہگار (*Gunahgaar* or Sinner) does not convey the meaning of the *Quranic* terms اَبۡرَار (Abrar) فُجَّار (*Fujjar*) respectively. Why these terms? What is فُجَّار (*Fujjar*)? The real meaning of this will create context for our understanding of the above verses. My dear friends, the root of this word is ف - ج - ر which means to dismember and split something into pieces that was supposed to remain compact and integrated. It is a great crime to cut something into pieces that is supposed to be joined together: الَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ ۠ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ (2:27) – who break their bond with God after it has been established [in their nature], and cut asunder what God has bidden to be joined [Asad].

The biggest crime and the best action

My dear friends, what is it that Allah had bidden to be joined? Well, there is this basic teaching of the Quran that always should be kept in mind: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (2:213) – the entire humankind is one single community; it is a universal community. This is the bond that Allah does not want to be broken; He does not want it to be divided on *any* basis. But humans broke this bond and divided themselves and split into different groups. Then Allah sent His messengers to bind them together once again: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ ۪ (2:213) – All mankind were once one single community; [then they began to differ -] whereupon God raised up the prophets as heralds of glad tidings and as warners [Asad]. These messengers brought God's message of guidance to remove the differences and divisions among humans so that they could live as one community once again. This is the bond that فُجَّار (*Fujjar*) broke and created divisions among humans by breaking them into different units. The *root* cause of human suffering and human hell is that humanity has been divided into different nations. Forget about the rest of the world. Just see how Muslims themselves are divided into different nations despite the fact of having common language, common culture, common race, and common religion. What has divided them? It is because

they have different nationalities, different governments, different interests and different priorities so much so that they fight wars and they kill each other and they call themselves Muslims? In fact, the whole world is engulfed in mutual fear and suspicion because of these divisions while superpowers are sitting on top. Aren't they all humans? Why this difference between humans and humans? And what is the root of this difference?

The concept of nationalism is the root of war

My dear friends, the root cause of this difference is that lines have been drawn on this planet Earth. These lines have not been drawn by God. These lines have not been drawn in heaven. Humans themselves have drawn these lines. It is humans who continue to draw new lines and remove old lines. And it is only because of these lines that humans are no longer members of human family but have become something else. Do you see what is at the root of confrontations between nations? Do you see why one nation tries to subdue another nation? And the irony is that tremendous energy is spent to chart out Basic Human Rights while being divided by lines of nationalism. What kind of basic human right is this that humans cannot cross these national boundary lines while the animals and insects are free to do so? While the humans are controlled by these lines and are rounded up and pushed back, animals and insects are free to roam around wherever they want? What kind of human rights are we then talking about? And, what about the Muslims? They call themselves an *Ummah*. They claim they are one Islamic brotherhood. But what kind of human rights do *they* have?

The despicable condition of Bihari Muslims

After the partition Muslims from Eastern parts of India (called *Biharis* by Bengalis) settled in East Pakistan. When Bangladesh was created Bengalis said that these *Biharis* (around half million) are not from them, and, consequently, they were thrown out into refugee camps. Those who have seen them say that their condition is despicable. These were Pakistani people but, we, in West Pakistan, say that they don't belong to us either. What to say my friends!? If you cannot find any relation, doesn't the Quran say: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً (2:213) – the entire humankind is one single community? Don't you see that relationship to humanity trumps all other relations? Just think: if this relationship of common humanity is established then won't this world become heaven? But no, we would rather have hell than heaven? These people would rather split the humanity with artificial lines rather than unite it: الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (2:27) – who break their bond with God after it has been established [in their nature], and cut asunder what God has bidden to be joined.

This was said to those who call themselves Muslims. But our condition is even worse than secularists.

Our behavior – worse than secularists

My dear friends, at least the secularists have become one nation within their state. There are no further subdivisions and fights within a state. But, we, who call ourselves a Muslim nation, are always fighting with each other. One Muslim nation is fighting with another Muslim nation. And within one nation, Muslims are engaged in fights with each other based on sects such as Sunnis, Shia, Wahhabi, Ahl-e-Hadith, Devabandi, etc. Secularists at least become one community within a nation but how unfortunate that Muslims, who were told by the Quran to create one community of all humanity, don't become one community even within a nation? What to say of all the sectarian fights, Muslims engage in fights even within mosques so much so that police is called; mosques are locked; courts get involved; and Muslims go to jail. If this is the case, then which nation was called by the Quran to create single brotherhood of humanity; which nation was called one *Ummah*? To which nation does this verse apply? كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (3:110) – You are indeed the best community that has ever been brought forth for [the good of] mankind.

We are فُجَّار (*Fujjar*) engaged in breaking Allah's bond

My dear friends, the secularists at least are able to create a unified nation based on secularism whom the religionists dismiss as infidels. But how unfortunate are these religionists who are not able to create even this level of unity based on nationalism? They have split themselves into different sects. Religion has cleft them asunder into multitude of groups. They are then the فُجَّار (*Fujjar*), i.e., splitters, according to the Quran.

We were discussing فُجَّار (*Fujjar*) who are those who split humanity into groups; who create sectarian divides between people. In contrast to them are those who are ابْرَار (*Abrar*); those who try to unite humanity; those who are magnanimous; those who spread their wings so wide that all humans become members of one family – the family called humanity. One of the attributes of Allah is البر (*Al-Birr*). These ابْرَار (*Abrar*) seek welfare of all humankind: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (3:110) – You are indeed the best community that has ever been brought forth for [the good of] mankind [Asad]. Thus this universal-value-based community keeps on widening its circle until all those separated into islands of smaller groups are able to join the ocean of humanity. The more magnanimous the members of this community become the more the barriers that divide humanity will keep on falling. And, the less and less the differences and sectarianism will become the more and more of their favors and

comforts will increase. And once the entire humanity becomes one this world will turn into heaven. This *will* happen because the Quran has said: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً (2:213) – the entire humankind is one single community. *Single* universal community is bound to happen. The world is slowly coming towards it. But, unfortunately, we Muslims are not.

Today's intellectuals are crying

My dear friends, if we Muslims have not even broken the sectarian chains of religion then how can we break the barriers dividing humanity. Please read the literature of secular nations who study different events using knowledge, understanding, experience, intellect, and wisdom. Their intellectuals are crying at the disaster that nationalism has wrought and are thinking of ways to get rid of this menace. And here we are, creating ever more new groups and divisions – and not becoming a nation even in a Western secular sense. An English boy calls himself proudly an Englishman and I have heard that a Pakistani boy feels ashamed to call himself Pakistani there! Any way, here we are talking about أَبْرَار (Abrar) and فُجَّار (*Fujjar*).

Creating divisions is *Shirk* (شرک) according to the Quran. Please ask our sectarian religious leaders: Doesn't the Quran say? وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ (30:31-32) – Be not among the *Mushrikeen*, i.e., Don't become those who split up their Religion, and become (mere) Sects. These are the verses of the Quran which our sectarian religious scholars never bring out in public and never pay any attention to because all of them belong to one sect or the other. To justify their sects they use a (fabricated) hadith attributed to the Prophet: that there will be seventy three sects in my *Ummah* and one will go to heaven. This makes every sect claim that it will go to heaven! No wonder the Prophet will complain to Allah: يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (25:30) – O Allah! My own people left this Qur'an.

My dear friends, leaving the Quran is one thing. But it seems we have left even our intellects and thoughts. If we stop and think for a moment then we can easily see that this hadith is clearly and plainly against the Quran. The Quran says that as a result of sectarianism, every sect thinks that *it* is right and the rest of them are wrong. This is what has happened to us. The Quran says that those who get divided into sects, as we have, are *Mushriks* and فُجَّار (*Fujjar*) but, here we are, calling ourselves Muslims. اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۚ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ (82:13-14) – Lo! The righteous verily will be in delight. And lo! The wicked verily will be in hell [Asad]. Now you see that translating اَبْرَار (Abrar) فُجَّار (*Fujjar*) as righteous and wicked respectively, as it is done here, does not convey the full import of the meaning as seen above. Also, please note that in verse (82:14) the word جَحِيْمٍ (*Jaheem*) is chosen and not جَهَنَّمَ (*Jahannam*) which both are translated

as hell. But the root meaning of the word جَحِيْم (*Jaheem*) is a place where one gets stuck and is not able to move. Now, it is easy for us to see how we are stuck at the bottom compared to other nations in the world. Being divided into so many sects and groups means جَحِيْم (*Jaheem*); it means no progress; it means to get stuck at one place; it means we are فُجَّار (*Fujjar* or Splitters); it means we are not capable of standing on our own among the ranks of live nations. Life needs to evolve and we are not capable of evolving. The Quran demands continuous improvement. There is no stopping as for as the Quran is concerned. فُجَّار (*Fujjar* or Splitters) have no place to be except to be in hell.

Our sermons do not produce any results

My dear friends, giving sermons about hell does not make any difference. This is our routine experience. فُجَّار (*Fujjar*) nations cannot move forward. They become stuck or become جَحِيْم (*Jaheem*). We cry every day to have unity, to create consensus. But does it work? When *Adhaan* (اذان) or call to prayer is made we run to different mosques identified with different sects or groups. Can unity and consensus happen in such a people by sermonizing? No. At the level of nation we are فُجَّار (*Fujjar*) – we are Afghans, Iranis, Hindi, Khurasani as Iqbal has mentioned. Aren't the Muslims of the world split into different nations? Not only that, on top of being فُجَّار (*Fujjar*), Muslims are divided into different sub-sects within a sect – i.e., we are فُجَّار (*Fujjar*) within فُجَّار (*Fujjar*). So, can we ever expect نَعِيْم (*Na'eem*) other than جَحِيْم (*Jaheem*) considering our condition? But the irony is we hardly notice that we are فُجَّار (*Fujjar*). So, when and how would we see our reality? The Quran says: يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ (82:15) – [a fire] which they shall enter on Judgment Day [Asad]. The results of their deeds will finally be delivered by the Law of Requital. Then they will find out that they are really stuck. Then they will find out that they cannot even stand in the ranks of nations. Then they will find out that they have been left far behind other nations; then they will find out that their path to progress has been completely blocked; then they will find out that their evolutionary stages have ended. Then they will find out that they are really stuck in جَحِيْم (*Jaheem*).

What to say of يَّصْلَوْنَهَا (82:15), my friends! We have this idea that جَحِيْم (*Jaheem*) or جَهَنَّمَ (*Jahannam*) will happen in the Hereafter after death. We have also this idea that there will be a huge arena where everyone will be called to testify and where judgment will be delivered and on one side will be green lush green garden called Heaven and on the side will be pit of fire called Hell. The Quran says that this will not be the case. The Hell is not somewhere else. It is not far from you: وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ (82:16) – And they will

not be able to keep away therefrom [Yusuf Ali]. Remember! Even now they are not out of the sight of Hell. When disgrace and misery (of hell) engulf a nation (as it has the Muslim nation), then it loses its ability to see it. How ironic that hell sees Muslims but they don't see the hell that surrounds them from all sides?

But despite this Muslims are waiting for hell

My dear friends, we are not out of the sight of جَهَنَّمَ (*Jahannam*). It is seeing us even now. This is the characteristic of hell. We have seen many verses related to this before. Some verses are highly significant for our reference here. I am saying this because we are in the last part of the Quran and we may not see these things again. If you have not written the references on this topic then write them down. If you do not want to spend time on your own then consult my *Tabweeb-ul-Quran* and you will find there all the relevant references on this topic at one place. Here the verse (82:16) says that even now they are not out of sight of Hell. وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (29:54) – verily, hell is bound to encompass all who deny the truth [Asad]. The hell of sufferings and disgrace; the hell of poverty and helplessness; the hell of dependence and humiliation – all these have engulfed this nation. The hell has surrounded this nation from all sides but it does not see that hell. But it will be made obvious: وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (79:36) – and the blazing fire [of hell] will be led open before all who [are destined to] see it [Asad]. But those who close their eyes they won't be able to see it even then! Hell will become visible to those who are capable of seeing it.

When will this happen?

But when would the hell – جَحِيْمٍ (*Jaheem*) or جَهَنَّمَ (*Jahannam*) – open up? Please note this point and ponder again, and again. The entire philosophy of reward and punishment and heaven and hell is contained in few words. What are these words? فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (39:51) – for all the evil deeds that they had wrought fell [back] upon them. And [the same will happen to] people of the present time who are bent on wrongdoing: all the evil deeds that they have ever wrought will fall [back] upon them, and never will they be able to elude [God]! Imbalance caused by their evil deeds will engulf them. So, جَحِيْمٍ (*Jaheem*) or جَهَنَّمَ (*Jahannam*) is nothing but appearance of the results of accumulated wrongs and evil human deeds.

Unveiled face of hell

My dear friends, what all one may have done against the Quran's values and principles which remain hidden from people – in fact, they may remain hidden from one's own eyes so much so that one even may have forgotten them – but everything will be brought back into the open. What would be brought out? فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ

(39:51) – whatever evil deeds you had done. This is hell. And, everyone against whom these evil deeds had been done will be right there to see it. Everyone will recognize each other. This will then be real hell for us. Everyone will see our true face. How pious you used to portray youtself and *this* is your true face – they will exclaim? *This* is what you did behind the façade of piety? We hide many things from society. We outwardly express our love, our friendship, our sympathy to others; but inwardly we are jealous and try to hurt others. Our wickedness remains hidden behind the veil of goodness and virtue. But the veil will be lifted up and all these evil deeds that we had done will be made bare for everyone to see; and recognize our true hypocritical face. What can be greater hell than this, my friends? These hypocrites will wish that they could die rather than face this shame in front of everyone but there will no death there. Did you notice what the Quran has mentioned here? Hell will be opened up to you? Everything that was hidden, the result of all your wicked deeds that you did in secret will be brought into open for everyone to see: وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (79:36) – and the blazing fire [of hell] will be led open before all who [are destined to] see it [Asad]. I think, my friends, *this* is more painful than the physically burning in fire. When will it happen? The Quran says it will happen on the day which is: يَوْمِ الدِّيْنِ (*Yaum-u-ddin*) – the Day of accountability of the results of deeds or the Day of Judgment.

Next, the Quran has described an extremely important thing. The very first chapter describes it as: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (1:3). This has been repeated many times in the Quran for which the Quran says: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (82:17) – And what could make thee conceive what that Judgment Day will be [Asad]? Do you know what يَوْمِ الدِّيْنِ (*Yaum-u-ddin*) is? Who can tell you better than Allah about what it is? And how would you feel when the results of your deeds will come out in front of you? To emphasize this, the Quran again says: ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (82:18) – And once again: What could make thee conceive what that Judgment Day will be?

My dear friends, the time is up now. We will continue this topic in our next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں شکریہ
Cell: 0321-4460787 Phone: 042-35714546

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.69
ISSUE
2

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/

قرآن فہمی کی اہمیت

یوں تو دنیا کی ہر کتاب کی یہ کیفیت ہے کہ جب تک اسے سمجھا نہ جائے اس سے مستفید نہیں ہوا جا سکتا، لیکن جس کتاب کی پوزیشن یہ ہو کہ انسان کو زندگی کے ہر معاملے میں اس سے راہ نمائی حاصل کرنی ہے اسے کما حقہ سمجھنے کی اہمیت کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ کتاب زندگی کے مسائل کے لیے عملی اصول (فارمولے) دیتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عملی اصول (فارمولا) اسی صورت میں صحیح نتیجہ پیدا کر سکتا ہے، جب اس کے ہر جزو، مختلف اجزا کی ترتیب اور اس کے مجموعی طریق عمل کا صحیح صحیح علم ہو اگر ان میں سے کسی ایک عنصر کے سمجھنے میں بھی غلطی ہو جائے تو وہ اصول کبھی صحیح نتائج مرتب نہیں کرے گا اور انسان کی ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کی صداقت پر ایمان رکھتے اور اسے ضابطۂ حیات سمجھتے ہیں، ان کے لیے اس کتاب کا صحیح طور پر سمجھنا کس قدر ضروری ہے۔ ان کی تو زندگی اور زندگی کی کامیابیوں کا دارومدار ہی اس پر ہے۔

(علامہ پرویزؒ کی کتاب مفہوم القرآن جلد اول سے ایک اقتباس)